بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خُلاصۃُ التَّفاسِیر

قرآنِ مُبین مُتَرجَم

٤ (4)

مختلف مکاتبِ فکر قدیم و جدید اہم تفاسیر کا خلاصہ
اور آسان اُردو ترجمہ

از ڈاکٹر محمد حسن رضوی

ناشر: پاک محرم ایجوکیشن ٹرسٹ
(۲۷۹- بریٹو روڈ- کراچی- فون: ۷۲۳۲۳۵۴)

www.drhasanrizvi.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝

اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے واسطے
آسان کردیا تو کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے۔ القمر

قرآنِ مبین مترجم

(۴)

پارہ لَنْ تَنَالُوْ

مع آسان اردو ترجمہ و تشریحات

از ڈاکٹر محمد حسن رضوی

ناشران: پاک محرم ایجوکیشن ٹرسٹ
۲/۷۸ جی، پی-۱ ای۔سی۔ایچ سوسائٹی کراچی فون: ۴۵۵۶۸۷۱

فہرست

شمار	ذیلی عناوین	صفحہ
۱	نمائشی و ریاکاری کی خیرات کا نتیجہ خود اپنے اوپر ظلم کرنا ہے۔	۳۵۴
۲	اغیار کو اپنا جگری رازدار دوست نہ بناؤ۔ ایمان والوں کو اللہ کی ہدایت۔	۳۵۵
۳	مدینے کے منافقوں کا حال	۳۵۶
۴	اہلِ کتاب کی منفی سوچ اور پست ذہنیت	۳۵۷
۵	جنگِ اُحد میں مسلمانوں کی حالت اور حضرت علیؑ کی شجاعت پر جبرئیلؑ کی قصیدہ خوانی۔	۳۵۸
۶	جنگِ بدر اور نصرتِ خدا پر مختصر تبصرہ	۳۶۰
۷	جنگِ بدر میں مدد کرنے والے فرشتوں کی خصوصیت	۳۶۲
۸	نصرت و فتح کی وجہ۔ بخاری شریف کی حدیث: "علیؑ کے ہاتھ پر فتح"	۳۶۳
۹	خدا جسے چاہتا ہے بخشدیتا ہے، وہ مقتدر ہے	۳۶۴
۱۰	دوگنا چوگنا سے مراد	۳۶۵
۱۱	جہنم کی آگ منکروں کیلئے بھڑکائی گئی ہے۔ جنت کی وسعت اور مغفرت کا ذکر۔	۳۶۶
۱۲	سود خوری کے نقائص۔ متقین کے اوصاف	۳۶۷
۱۳	غصے کو پی کر معاف کرنے والوں کی مدح۔ آرنلڈ اور دیگر مستشرقین نے لکھا	۳۶۸
۱۴	معاف کرنیوالوں کا مرتبہ کاظمین سے بلند ہے	۳۶۹
۱۵	احسان کرنیوالوں کا مرتبہ دونوں سے بلند ہے	۳۶۹
۱۶	شانِ نزولِ آیت۔ کفن چور کا قصہ۔ صحیح استغفار	۳۷۰
۱۷	اللہ جلّ جلالہٗ کی نظر میں توبہ قابلِ انعام عمل ہے۔	۳۷۱
۱۸	مقصدِ سیاحت عبرت حاصل کرنا ہے	۳۷۲
۱۹	فتح و کامرانی بالآخر مومنوں کو نصیب ہوگی	۳۷۳
۲۰	اللہ تعالیٰ مومنوں کی ہمّت افزائی فرما رہا ہے	۳۷۴
۲۱	اس آیت نمبر ۱۴۰ سے برآمد شدہ نتائج	۳۷۵
۲۲	اللہ لوگوں کو اُن کے اعمال سے جانچنا چاہتا ہے تاکہ انعام کا مستحق نکھر کر سامنے آجائے	۳۷۶
۲۳	شہدائے بدر کے مدارج سے آگاہ ہونے پر مومنوں نے شہادت کی تمنّا ظاہر کی۔	۳۷۷
۲۴	اللہ کے سوا سب کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے	۳۷۸
۲۵	حضرت امام محمد باقرؑ نے موت کے بارے میں فرمایا	۳۷۹
۲۶	اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؑ کا شکریہ جنگِ اُحد کے موقع پر دوبار ادا کیا۔	۳۸۰
۲۷	اس آیت میں دو پیغام ہیں۔	۳۸۱
۲۸	انبیاءؑ کے اوصافِ حمیدہ کا ذکر	۳۸۲
۲۹	اس آیت میں دعاء، استغفار اور اللہ سے مدد کا ذکر	۳۸۳
۳۰	کافروں کی پیروی نہ کرو ورنہ نقصان اٹھاؤ گے	۳۸۴

www.drhasanrizvi.org

www.drhasanrizvi.org

شمار	عنوان	صفحہ	شمار	عنوان	صفحہ
۳۱	کافروں پر اُحد میں مسلمانوں کے رُعب کا ذریعہ علیؑ تھے	۳۸۵	۵۳	مسلمانوں نے کہا: ہمارے لیے اللہ کافی ہے"	۴۱۲
	اور جبرئیل کا کلمہ " لَا فَتیٰ اِلَّا عَلِی لَا سَیفَ اِلَّا ذُو الفِقار		۵۴	اللہ، رسولؐ کو تسلی دے رہا ہے	۴۱۴
۳۲	جنگِ اُحد میں مسلمانوں کی فتح و شکست کے اسباب	۳۸۶	۵۵	کافروں کو مہلت پر مہلت کیوں دیجاتی ہے	۴۱۵
۳۳	پیغمبرِ خدا کا کہنا نہ ماننا اور جنگ سے گریز کرنے پر معاتب	۳۸۸	۵۶	اللہ، مومنین اور منافقین، طیب اور خبیث	۴۱۶
۳۴	مکمل اختیار صرف کو حاصل ہے۔	۳۹۰		کی تمیز قائم کرنا چاہتا ہے۔	
۳۵	ہماری بداعمالیوں کے سبب سے شیطان ہم سے گناہ کرواتا ہے	۳۹۲	۵۷	اللہ کے عطا کردہ مال میں بُخل کی مذمت	۴۱۸
۳۶	ہماری قوتِ ارادی کی کمی سے شیطان کا غلبہ ہوتا ہے	۳۹۳	۵۸	یہودیوں کا جاہلانہ قول	۴۲۰
۳۷	موت بہر حال آئیگی، سفر یا حضر کی قید نہیں	۳۹۴	۵۹	یہودیوں کے اس قول سے مراد	۴۲۱
۳۸	"سبیلِ اللہ" سے مراد حضرت علیؑ اور گیارہ ائمہؑ ہیں	۳۹۵	۶۰	احمقانہ اعتراض کے جواب کا طریقہ	۴۲۱
۳۹	موت کے بارے میں امیر المومنینؑ کا ارشاد۔	۳۹۶	۶۱	یہودیوں کے ایک اور جھوٹ کی رد	۴۲۲
۴۰	سرکارِ دوعالمؐ کی نرم مزاجی کی تعریف	۳۹۷	۶۲	اللہ کی ہر مخلوق کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے	۴۲۳
۴۱	مشورے کی اہمیت اور اللہ پر بھروسہ کرنے کی قدر	۳۹۸	۶۳	دنیا میں صبر اور مختلف تکالیف سے آزمایا جائیگا	۴۲۵
۴۲	غزوۂ بدر کے مالِ غنیمت میں نبی اکرمؐ پر خیانت کا الزام	۴۰۰	۶۴	اہلِ کتاب رسولِ خدا کی حقانیت کو چھپا رہے تھے	۴۲۶
۴۳	مکمل طور پر خدا کی خوشنودی کے طلبگار ائمہؑ ہیں	۴۰۲	۶۵	کس سے کیا عہد لیا گیا تھا۔	۴۲۶
۴۴	اللہ تعالیٰ کا رسولؐ کو بھیجنا بھی احسانِ عظیم ہے	۴۰۳	۶۶	اہلِ کتاب کے علماء نے اس عہد کو بھلا دیا	۴۲۷
۴۵	جنگِ اُحد میں مسلمانوں کی شکست کے اسباب	۴۰۴		اس عہد کا ذکر بائبل میں بھی آتا ہے	
۴۶	شکست کی دوسری وجہ	۴۰۵	۶۷	علم سیکھنے اور سکھانے کے بارے میں آنحضرتؐ کا ارشاد	۴۲۷
۴۷	یہ آیت منافقین کے بارے میں ہے	۴۰۶	۶۸	جو لوگ جھوٹی تعریف چاہتے ہیں اُن کی مذمت	۴۲۸
۴۸	حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے	۴۰۷	۶۹	ذکرِ خدا اور کائنات میں تفکر کرنے والوں کی تعریف	۴۲۹
۴۹	یہ آیت شہدائے بدر و اُحد کی شان میں نازل ہوئی	۴۰۸	۷۰	حکماء اور محققین نے نتیجہ نکالا۔	۴۳۱
۵۰	شہادت پانے کے بعد شہداء کی کیفیت	۴۰۹	۷۱	منادی سے مراد	۴۳۱
۵۱	"قرآن" شہداء کو زندہ کہہ کر خاموش نہیں ہوتا۔	۴۱۰	۷۲	ان آیات میں ۵ مرتبہ رَبَّنا کا لفظ آیا ہے اور	۴۳۲
۵۲	غزوۂ اُحد کے زخمی مجاہدوں کیلئے اللہ کا حکم۔	۴۱۱		رسولِ خدا کی حدیث ہے کہ:	

www.drhasanrizvi.org

شمار		صفحہ
۷۳	حُسنِ عمل کی بنار پر اللہ کے یہاں اجر و ثواب ہے	۴۳۳
۷۴	دنیا اور اُس کی سج دھج دھوکہ ہے	۴۳۵
۷۵	آیۂ مبارکہ کی لفظی اور روایتی تشریح	۴۳۷
	سورۃ النسآء	
۷۶	تذکرۂ حضرت آدمؑ و حواؑ	۴۴۰
۷۷	آیت میں رشتے داروں کے حقوق کی اہمیت	۴۴۱
۷۸	یتیموں کا مال کھانا گناہِ کبیرہ ہے۔	۴۴۲
۷۹	اللہ نے فعلِ حرام سے بچانے کیلئے مرد کو	۴۴۳
	چار بیویوں کی اجازت دی ہے لیکن عدالت کی شرط کے ساتھ	۴۴۳
۸۰	عورتوں کے مہر ادا کرنے کی ہدایت	۴۴۴
۸۱	آیت میں مال کے صحیح مصرف کا طریقہ بتایا ہے	۴۴۶
۸۲	یتیم کے مال میں اِسراف نہ کیا جائے۔	۴۴۷
۸۳	ترکے و ورثے میں عورتوں کا حق بھی مقرر ہے	۴۴۸
۸۴	تقسیمِ ورثے کے وقت بہتر ہے کہ حاجتمند رشتے داروں کو بھی کچھ نہ کچھ دیا جائے۔	۴۵۰
۸۵	آیت میں ورثار کے ضمیر کو بیدار کیا گیا ہے	۴۵۱
۸۶	ناحق یتیموں کا مال کھانے کی سخت ممانعت	۴۵۲
۸۷	میّت کی چھوڑی ہوئی جائیداد کے احکام	۴۵۳
۸۸	کلٰلۃ سے مراد۔ حدیثِ رسولِ خدا کے مطابق "وصیّت نقصان نہ ہو" کی وضاحت	۴۵۷

شمار		صفحہ
۸۹	وصیّت میں ضرر رسانی گناہ کبیرہ ہے	۴۵۸
۹۰	خدا و رسولؐ کے فرمانبردار ہمیشگی والی جنّت میں رہیں گے۔ خدا کا اعلان۔	۴۵۹
۹۱	اللہ کی مقرّر کردہ تمام حدود سے تجاوز پر خوفناک عذاب اور حدود کے مختلف پہلوؤں کی صراحت	۴۶۱
۹۲	زانیہ کی سزا کے احکامات	۴۶۳
۹۳	بغیر شوہر کی عورت اور بغیر زوجہ کے مرد کو بدکاری کی سزا۔	۴۶۵
۹۴	گناہگار کی توبہ کو اللہ بار بار قبول فرماتا رہتا ہے	۴۶۶
۹۵	مرتے دم تک کفر پر ڈٹے رہنے والوں کی توبہ قبول نہیں۔	۴۶۹
۹۶	جبراً کسی کا وارث بننا خدا کو پسند نہیں	۴۷۱
۹۷	آیت کا مفہوم اور پیغام یہ ہے کہ :	۴۷۲
۹۸	دورِ جاہلیّت کی بدکرداری کا رد	۴۷۳
۹۹	زمانۂ جاہلیّت میں عرب قبیلوں کا ایک اور بدترین دستور۔	۴۷۴
۱۰۰	اُن عورتوں کی فہرست جن سے نکاح حرام ہے	۴۷۸
۱۰۱	رَضاعت کے احکام و حدیثِ رسولِ خدا	۴۷۸

www.drhasanrizvi.org

پارہ (۴) لن تنالوا

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ۝ (۹۲)

(۹۲) تم ہرگز بھلائی (یا نیکی) کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم اُن چیزوں میں سے کچھ خیرات نہ کرو جو تمھیں (بھی) پسند ہیں۔ اور جو کچھ بھی تم (اللہ کی راہ میں) خیرات کرتے رہتے ہو، اللہ اُس سے خوب واقف ہے۔ (۹۲)

آیت ۹۲ : آیت کا مقصد اِس غلط فہمی کو دور کرتا ہے کہ نیکی کا مطلب رسمی اور ظاہری طور پر کچھ شرعی پابندیوں کو اختیار کر لینا ہی نہیں، بلکہ نیکی کی اصل روح خدا کی محبت ہے وہ بھی ایسی محبت جو آدمی کے دل پر اتنی غالب آجائے کہ وہ ہر پسندیدہ چیز کو خدا کی محبت پر قربان کر سکے۔ اور ہر وہ چیز جو خدا کی محبت سے بڑھ جائے وہی بُت ہے۔ جب تک یہ بُت نہ ٹوٹے گا نیکی حاصل نہ ہوگی۔ بقولِ اقبال :

صنم کدہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیل ✲ یہ نکتہ وہ ہے جو پوشیدہ لَا اِلٰہ میں ہے (اِلّا اللہ)

"بِر" مطلق نیکی کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد کمالِ خیر ہے یا حقیقتِ خیر۔ غرض بِر سے ابوابِ خیر کی جامعیت مراد لی گئی ہے۔ (روح المعانی ، مدارک)

www.drhasanrizvi.org

امیر المومنین حضرت علی ابنِ ابی طالب علیہ السّلام نے ایک دفعہ ایک کپڑا خریدا جو آپ کو بہت پسند تھا۔ پھر آپ نے اُس کو خدا کی راہ میں دے دیا اور فرمایا: "میں نے رسولِ خداؐ سے سُنا ہے کہ جو شخص اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دے گا، خدا قیامت کے دن اُس کے لیے جنّت کو ترجیح دے گا۔ اور اگر کوئی شخص کسی چیز سے محبّت کرتا ہوگا اور اُسے اللہ کی راہ میں دے دے تو قیامت کے دن خداوندِ عالم اُس سے کہے گا کہ اے میرے بندے! تُو دوسروں کو نیکیوں اور احسانات کا بدلہ دیا کرتا تھا، تو آج میں تجھے تیری نیکی کے بدلے میں جنّت عطا کروں گا۔"

سیّد الشہدا حضرت امام حسین علیہ السّلام نے اِس سلسلے میں بڑی اعلیٰ مثال پیش کی ہے۔ اِس لیے کہ اِس آیت میں نیکی کی اصل یہ بتائی گئی ہے کہ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ "نیکی یہ ہے کہ تم اس میں سے کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو جسے تم پسند کرتے ہو۔" لیکن امام حسین علیہ السّلام نے "اس میں سے کچھ" نہیں، بلکہ "سب کچھ" اللہ کی راہ میں قربان کردیا۔ اِسی لیے ڈاکٹر اقبالؔ نے حضرت ابراہیمؑ کی قربانی سے امام حسینؑ کی قربانی کا تقابل اس طرح کیا ہے

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم ۞ نہایت اِس کی حسینؑ ابتدا ہیں اسماعیلؑ
اللہ اللہ بائے بِسمِ اللہ پدر ۞ معنئ ذبحِ عظیم آمد پسر

حضرت امام حسینؑ اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السّلام چینی صدقے میں بہت دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ "ہمیں چینی بہت پیاری ہے اِس لیے ہم اِسے خدا کی راہ میں دے دیتے ہیں۔ کیونکہ خداوندِ عالم ارشاد فرماتا ہے: یہ کہہ کر پھر اسی آیت کی تلاوت فرماتے"

(تفسیر صافی ص۸۰ بحوالہ تفسیر مجمع البیان)

www.drhasanrizvi.org

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا (۹۳)	سب کھانے کی چیزیں
لِّبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ إِلَّا مَا	بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال تھیں۔
حَرَّمَ إِسْرَآءِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِ	سوا اُن چیزوں کے جو توراۃ کے
مِن قَبْلِ أَن تُنَزَّلَ التَّوْرَىٰةُ ۗ	اُترنے سے پہلے ہی اسرائیل (یعقوبؑ) نے
قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَىٰةِ فَاتْلُوهَآ	خود اپنے اوپر حرام کرلی تھیں۔ اُن سے
إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ۝ ۹۳	کہیے کہ اگر تم سچے ہو تو توراۃ لاکر پڑھو۔
فَمَنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ (۹۴)	اب اس کے بعد بھی جو کوئی اللہ
الْكَذِبَ مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ	پر جھوٹ گھڑے تو ایسے ہی لوگ تو
فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الظَّٰلِمُونَ ۝ ۹۴	حقیقتاً ظالم (حد سے بڑھ جانے والے) ہیں۔

وقف جبرئیل علیہ السلام

آیت ۹۳ : حضرت یعقوبؑ کو عرق النساء کی بیماری ہوگئی اس لیے اُنھوں نے اونٹ کا گوشت کھانا اپنے اوپر حرام کرلیا۔ یعنی کھانا بند کردیا۔ اس پر یہودیوں نے کہا کہ اونٹ توراۃ میں حرام کیا گیا ہے۔ خدا نے فرمایا کہ اگر تم اپنے وعدعے (قول) میں سچے ہو تو توراۃ لاکر پڑھو۔ توراۃ میں کہیں اُس کو حرام نہیں قرار دیا گیا۔

اصل بات تو یہ ہے کہ حضرت یعقوبؑ علیہ السلام نے اُسے خود اپنے اوپر حرام کرلیا تھا، دوسروں پر حرام نہیں کیا تھا۔

(تفسیر صافی صہ ۸۸ بحوالہ تفسیر قمی)

www.drhasanrizvi.org

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۛ فَاتَّبِعُوْا (۹۵) مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ۹۵

آپ فرمادیں کہ اللہ نے سچ فرمایا ہے۔ لہٰذا تم بس غلط راستے کو چھوڑ کر سیدھی راہ والے ابراہیم کے دین کی پیروی کرو اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ (۹۶) لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ ۹۶

بیشک سب سے پہلا گھر جو تمام انسانوں کے لیے بنایا گیا وہ وہی ہے جو مکّہ میں ہے، جو برکت والا اور تمام جہانوں کیلئے مرکز ہدایت ہے

آیت ۹۵ : لغت میں حنیف کے معنی ہٹ جانے یا مُڑ جانے کے ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کو اس لئے حنیف کہا گیا کہ وہ ہر قسم کی غلط راہ سے ہٹے ہوتے تھے۔ (مجمع البیان)

آیت ۹۶ : حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا:
"مکّہ کا نام بکّہ اس لیے ہوا کہ اس کے اندر لوگ روتے ہیں۔ (بکّہ بُکا سے ہے) شہر کا نام تو مکّہ ہے اور جس مقام پر کعبہ بنا ہے وہ بکّہ ہے۔" (تفسیر صافی ص۹۸)

خدا کا فرمانا کہ "اس گھر کو لوگوں کے لیے بنایا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی عبادت کے لیے بنایا گیا ہے تاکہ وہ اُس کا طواف کریں، اُس میں نمازیں پڑھیں اور اُس میں اعتکاف کریں۔ (تفسیر کبیر۔ معالم) احادیث سے ثابت ہے کہ یہ مکان سب سے پہلے تعمیر ہوا تھا (قرطبی)

www.drhasanrizvi.org

فِيۡهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ (۹۷) اِبۡرٰهِيۡمَ ۚ وَمَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الۡبَيۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَيۡهِ سَبِيۡلًا ؕ وَ مَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ۞ ۹۷

اُس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں (مثلاً) ابراہیمؑ کا مقامِ عبادت ہے۔[۱] جو بھی اُس (گھر) میں داخل ہوگیا، وہ امن میں ہے۔[۲] اور لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اِس گھر تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو،[۳] وہ اِس کا حج کرے۔ اب جو کوئی بھی کفر اختیار کرے، تو اللہ تمام جہان والوں سے بے نیاز ہے۔

آیت ۹۷

[۱] مقامِ ابراہیمؑ وہ جگہ ہے جہاں کھڑے ہوکر حضرت ابراہیمؑ نے خانۂ کعبہ کی دیواریں اونچی کی تھیں۔ آج بھی پتھر میں آپ کے قدموں کے نشان موجود ہیں۔ (تفسیر صافی)

[۲] حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "گھر میں داخل ہونے کے حقیقی معنی ہم اہلِ بیتِ رسولؐ کی ولایت اور اطاعت میں داخل ہونا ہے جس کے بعد عذابِ الٰہی سے امن حاصل ہوجاتا ہے۔" (تفسیر نور الثقلین)

[۳] اِن الفاظ سے حج کرنے کی تاکید اور وجوب کا اظہار ہے۔ جنابِ رسولِ خداؐ نے اپنی وصیت میں فرمایا: "اے علیؑ! حج کو ترک کرنے والا جبکہ وہ حج پر جانے کی استطاعت بھی رکھتا ہو، کافر ہے۔ پھر آپؐ نے یہی آیت تلاوت فرمائی (اور فرمایا:) اے علیؑ! جو شخص حج کو ٹالتا رہتا ہے، یہاں تک کہ مرگیا، تو قیامت کے دن مجھے اُس کی کوئی فکر نہ ہوگی کہ خدا اُسے یہودیوں کے ساتھ اٹھائے یا نصرانیوں کے ساتھ۔" (تفسیر صافی صفحہ ۸۹)

(باقی صفحہ ۳۳۸ پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ (۹۸) تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖۗ وَ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ۹۸	کہیے کہ اے اہلِ کتاب! (آخر) تم کیوں اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہو، حالانکہ اللہ تو تمہاری حرکتوں کو دیکھ رہا ہے
قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ (۹۹) تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ ۹۹	کہو کہ اے اہلِ کتاب! (آخر) تم اللہ کے راستے سے ہر اُس شخص کو کیوں روکتے ہو جو ایمان لانا چاہتا ہے۔ اور اور یہی چاہتے ہو کہ وہ ٹیڑھا ہو جائے حالانکہ تم خود اِس کے گواہ ہو، اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اُس سے غافل نہیں ہے

(بقیہ از صفحہ ۳۳۷) حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے اُن کے بھائی علیؑ نے پوچھا کہ کیا جو شخص حج نہ کرے وہ حقیقی معنیٰ میں کافر ہو جاتا ہے؟ فرمایا: نہیں (کافر سے مراد ناشکرا ہے) لیکن جو حج کا منکر ہو وہ کافر ہو جاتا ہے۔" (تفسیر صافی ص ۱۹۹)

آیت ۹۹ : اللہ کے راستے کو ٹیڑھا بنانے کی کوشش کرنے کے معنی یہ ہیں کہ دینِ خدا پر طرح طرح کے اعتراضات کرکے یہ چاہتے ہو کہ لوگ دھوکا کھا جائیں۔ دین سے ہٹ جائیں۔ (مجمع البیان)

ایک معنیٰ یہ بھی ہیں کہ دین کی معقول تعلیمات کو اپنی مرضی کے مطابق موڑ توڑ کر بتانا چاہتے ہو۔ بقول اقبال

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں ⁂ ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم با توفیق

www.drhasanrizvi.org

(۱۰۰) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝	اے ایمان والو! اگر تم نے اہل کتاب میں سے ایک گروہ کی بات مان لی تو یہ تم کو ایمان لانے کے بعد پھر کفر کی طرف پلٹا دیں گے [1]
(۱۰۱) وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ۱۰۱ ع	اب تم کیونکر کفر کرسکتے ہو جب کہ تمہارے سامنے اللہ کی آیتیں پڑھی جارہی ہیں اور تمہارے درمیان خدا کا رسول بھی موجود ہے [2] (غرض) جو بھی اللہ کے ساتھ مضبوطی سے وابستہ ہوگا تو وہ ضرور سیدھے راستے [3] پر لگا دیا گیا ہے

[1] آیت ۱۰۰: اس وارننگ کی ضرورت شاید اس لیے ہوئی کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ یہودی علمار کی علمیت سے مرعوب تھا اور یہودی علماء نے اسلام بظاہر قبول کرلیا تھا جیسے عبداللہ بن سلام اور کعب الاحبار وغیرہ مسلمانوں نے اہلِ بیتِ رسول کو چھوڑ کر ان نومسلموں کو اپنا علمی مرکز بنایا اور اس طرح اسرائیلیات کا ایک لمبا چوڑا غیر معتبر لٹریچر جس میں بہت باتیں اسلامی روح کے خلاف ہیں، ہماری کتابوں میں داخل ہوگیا۔ (فصل الخطاب)

[2] آیت ۱۰۱: آیت کا مطلب ہے کہ تمہارے لیے دینِ حق سے پھر جانے کی گنجائش ہی کب ہے جبکہ تمہارے اندر قرآن اور سنتِ رسول موجود اور محفوظ ہے (بحر قرطبی) [3] اور صراطِ مستقیم سے مراد دنیا میں مکمل کامیابی اور آخرت میں جنت ہے۔

(باقی صفحہ ۳۴۰ پر)

www.drhasanrizvi.org

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ (۱۰۲) حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ ۱۰۲

اے ایمان لانے والو! اللہ کے غیظ و غضب سے اُسی طرح سے بچو کہ جو بچنے کا حق ہے۔ اور دُنیا سے نہ اُٹھو مگر اِس حالت میں کہ تم مُسلم ہو۔

(بقیہ از صفحہ ۳۳۹ آیت ۱۰۱) یہ آیت قبیلۂ اوس اور خزرج کے اُن لوگوں کے بارے میں اُتری جو اپنی بُرائیاں بیان کر رہے تھے اور ایک دوسرے پر فخر کر رہے تھے پھر وہ ایک دوسرے پر غضبناک ہوتے اور "ہتھیار ہتھیار" پکارنے لگے۔ بہت بڑا مجمع دونوں قبیلوں میں جمع ہو گیا۔ حضورؐ تشریف لائے اور فرمایا: "کیا اب بھی تم لوگ جاہلیت کو پکارتے ہو، حالانکہ میں تم میں موجود ہوں اور جبکہ اللہ نے تمھیں اسلام کے ذریعے عزّت بخشی ہے اور تم کو جاہلیت سے الگ کیا ہے اور تمھارے درمیان محبّت پیدا کی ہے۔" اِس پر وہ لوگ سمجھ گئے کہ یہ سب شیطان کی حرکت تھی پس اُنھوں نے ہتھیار پھینک دیے اور توبہ کی اور ایک دوسرے کو گلے لگایا۔ (تفسیر صافی صفحہ ۹۰)

(اِس صفحے کا نوٹ)

آیت ۱۰۲ ؎ امام جعفر صادقؑ نے اس آیت کا حدیثِ رسولِ خداؐ کے حوالے سے یہ مطلب بتایا کہ: "خدا کی اطاعت کرو، نافرمانی نہ کرو۔ خدا کو یاد رکھو، اُس کو بھولو مت۔ خدا کا شکر ادا کرو، کفر اور ناشکری نہ کرو۔ (یعنی اُس کی نعمتوں کا انکار نہ کیا جائے اور اُس کی نعمتوں کو اُس کی مرضی کے خلاف استعمال نہ کیا جائے۔)"

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ پوچھا گیا کس آیت سے؟ تو فرمایا: "اتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ" سے۔ یعنی اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا کہ تم کر سکو (جتنی استطاعت ہو) (تفسیر عیاشی)

(تفسیر صافی صفحہ ۹۰ بحوالہ معانی الاخبار)

(حاشیہ:) مسلم (خدا کے فرمانبردار)

سورۃ التغابن (۶۴) آیت ۱۶

www.drhasanrizvi.org

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا (۱۰۳)
وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً
فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ
بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ
عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ
فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ
يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ
لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

اور تم سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو، اور فرقے فرقے نہ ہو۔ اور اللہ کی اُس نعمت کو یاد کرو کہ تم ایکدوسرے کے دشمن تھے تو اُس نے تمہارے دلوں کو اُلفت و محبت سے جوڑ دیا۔ اور اس طرح تم اُس کے فضل و کرم سے بھائی بھائی بن گئے۔ جبکہ تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے پر (کھڑے) تھے، تو اُس (اللہ) نے تم کو اُس سے بچا لیا۔ اِس طرح اللہ تمہارے لیے اپنی نشانیاں (اور احکام) کھول کر سُناتا رہتا ہے شاید کہ تم سیدھے راستے پر لگ جاؤ ____ (۱۰۳)

آیت ۱۰۳ : حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ "حبل اللہ المتین" "اللہ کی مضبوط رسّی" سے مراد آلِ محمدؐ ہیں (تفسیر عیاشی)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ "ہم ہی اللہ کی وہ رسّی ہیں جن کے بارے میں خدا نے اعتصام (مضبوطی سے پکڑے رہنے) کا حکم دیا ہے۔" (ینابیع المودۃ صفحہ ۹۵، تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۴، تفسیر خازن جلد ۱ صفحہ ۲۶۱)

جناب رسولِ خداؐ فرماتے ہیں کہ "فاطمہؑ میرے دل کا ٹکڑا ہے اور اُس کا شوہر میری آنکھوں کا نور ہے اور اُس کے بچے میرے میوۂ دل ہیں اور اُس کی اولاد آئمہؑ (طاہرین) خدا کے امین ہیں یہ سب اللہ کی رسّی ہیں۔"

(باقی صفحہ ۳۴۲ پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ (۱۰۴)
إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَأُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

اور تم میں سے کچھ لوگ تو ضرور ایسے ہونے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلایا کریں، بھلائی کی ترغیب دلائیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو پورے پورے کامیاب ہیں۔

(بقیہ از صہ ۳۴۱ آیت ۱۰۳) : "حبل اللہ" یعنی اللہ کی رسی" کا پورا تعارف حدیثِ ثقلین سے ہوتا ہے کہ جس میں رسول اللہ صؐ نے فرمایا: "میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ (۱) خدا کی کتاب (۲) اور میری عترت واہلِ بیتؑ۔ جب تک تم ان سے اپنا تعلق مضبوط رکھو گے کبھی گمراہ نہ ہوگے اور یہ دونوں کبھی ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں۔" (متفق علیہ، صحیح مسلم شریف، مجمع البیان وغیرہ)۔

آیت ۱۰۴ لے : امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ "امر بالمعروف (یعنی نیکیوں کی ترغیب دینا) اور نہی عن المنکر (یعنی برائیوں سے روکنا) اللہ کے اخلاق میں سے دو خُلق ہیں۔ جو یہ دونوں کام کریگا خدا اُس کو عزت دیگا۔ اور جس نے اس کام کو چھوڑا، اللہ بھی اُسے چھوڑ دے گا۔" (تفسیر صافی صہ بحوالہ الکافی)

جناب رسولِ خدا صؐ نے فرمایا: "لوگ جب تک نیک کاموں کی ترغیب اور برائیوں سے روکتے رہیں گے تو وہ نہیں مٹیں گے لیکن جب یہ کام چھوڑ دیں گے تو اُن سے برکتیں دُور ہو جائیں گی اور وہ ایکدوسرے پر مسلط کر دیے جائیں گے اور اُن کا پھر کوئی مددگار بھی نہ ہوگا، نہ زمین پر نہ آسمان میں اور نہ اِن دونوں کے درمیان۔" (تہذیب)

www.drhasanrizvi.org

امیر المومنین حضرت علی علیہ السّلام نے فرمایا کہ " امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا) ایسے دو کام ہیں جو اخلاقِ خداوندی میں سے ہیں نہ اُن کی وجہ سے موت قبل از وقت آسکتی ہے اور نہ مقرر شدہ رزق میں کوئی کمی واقع ہو سکتی ہے

پھر آپؑ نے امام حسنؑ و امام حسینؑ کو وصیت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

" لَا تَتْرُكُوا الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْىَ عَنِ الْمُنْكَرِ فَيُوَلّٰى عَلَيْكُمْ شِرَارُكُمْ ثُمَّ تَدْعُوْنَ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ (نہج البلاغہ ص ۴۳۸ وصیت خطبہ ۴۷)

" (اے فرزندو!) نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے سے کبھی ہاتھ نہ اٹھالینا (کبھی نہ رُکنا) ورنہ بدکردار و اشرار تم پر مسلّط ہو جائیں گے پھر دعا مانگو گے تو قبول نہ ہوگی۔"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے پوچھا گیا کہ کیا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تمام اُمت پر واجب ہے؟ امامؑ نے فرمایا: " نہیں " پوچھا گیا: کیوں؟ تو فرمایا: " یہ فریضہ اُس پر عائد ہوتا ہے جو اُس کی اہلیت اور صلاحیت رکھتا ہو گا جس کی بات میں (دلائل کا) وزن ہو تا کہ لوگ اُس کی بات مانیں۔ اور جو اچھائی اور برائی کے فرق کو جانتا ہو۔ وہ بیچارے جن کو خود یہ پتہ نہ ہو کہ وہ کدھر جا رہے ہیں، وہ یہ فریضہ انجام نہیں دے سکتے۔"

فقہاء اور محققین نے آیت کے الفاظ " تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے " سے نتیجہ نکالا کہ دعوتِ حق اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرضِ عین نہیں بلکہ واجبِ کفائی ہے یعنی اگر کچھ لوگ اس کام کو انجام دیں تو باقی لوگوں پر فرض نہ رہے گا۔ کیونکہ ہر فرد میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ یہ کام انجام دے سکے اس لیے اِس کام کو چند تعلیم یافتہ افراد ہی انجام دے سکتے ہیں۔ (جلالین)

www.drhasanrizvi.org

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا (۱۰۵) وَاخْتَلَفُوا مِنۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۚ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۙ	اور کہیں تم اُن لوگوں کی طرح تو نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے، اور (ہماری) کھلی ہوئی واضح ہدایات اور دلیلوں کے آنے کے بعد بھی اختلافات میں مُبتلا ہو گئے یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے سخت سزا ہے۔[1] (۱۰۵)

آیت ۱۰۵[1] : اِس سے اوّلین مراد یہودی اور عیسائی ہیں جنھوں نے خدا کی توحید کی پاکیزگی میں اختلاف کیا اور روزِ آخرت میں بھی اختلاف کیا۔ (تفسیر صافی ص ۹۱)

آیت بالکل صاف طور پر پتہ دے رہی ہے کہ جس طرح یہودی کھلے ہوئے دلائل کے ہوتے ہوئے فرقہ فرقہ ہو گئے، اسی طرح مسلمان بھی اختلافات میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اور آیت یہ بھی بتا رہی ہے کہ وہ اختلافات اُن باتوں میں ہوں گے جن کے بارے میں خدا کی ہدایات واضح طور پر موجود ہوں گی۔ کیونکہ آیت میں ہے کہ "کھلی ہوئی دلیلوں کے آنے کے بعد"۔ مسلمانوں کے اختلاف کا مرکزی نقطہ امامتِ کبریٰ ہے۔ یعنی رسولؐ کی جانشینی کا مسئلہ جبکہ اِس بارے میں واضح نصوص احادیث و آیات موجود ہیں اور نصوص کے انکار ہی سے اختلافات پیدا ہوتے ہیں۔

محققین نے نتیجہ نکالا کہ امامت و خلافت کا مسئلہ فروعی نہیں، بلکہ اصولِ دین میں شامل ہے۔ کیونکہ اِس پر اختلاف کرنے پر عذابِ عظیم کا وعدہ کیا گیا ہے۔ یہ مسئلہ کوئی خالص تاریخی مسئلہ نہیں۔

(باقی ص ۳۴۵ پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ (۱۰۶) وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ○

اُس دن کچھ چہرے تو روشن اور نورانی ہوں گے اور کچھ لوگوں کا مُنھ کالا ہو گا۔ تو جن کا منھ کالا ہوگا (اُن سے کہا جائے گا) کہ تم نے ایمان کی نعمت پا جانے کے بعد بھی کافرانہ اور منکرانہ طریقہ اختیار کیا تھا؟ اچھا تو اب تم اُس انکار اور اپنے کافرانہ رویے کی سزا چکھو۔[۱]

(بقیہ از ص ۳۴۴) امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: "یہ اسی اُمت کی وہ جماعتیں ہیں جنھوں نے بدعتیں ایجاد کیں۔ (یعنی دین میں اپنی طرف سے نئی نئی باتیں داخل کیں) اور اپنی پسند کے راستے اور غلط اعتقادات اختیار کیے۔ (مجمع البیان)

[۱] آیت ۱۰۶: حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ "منھ کالے ہو جانے والے اُمت کے وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے بدعت (دین میں نئے نئے کام اور نظریات) شروع کیں اور غلط رائے اور خواہشات نفسانی پر عمل کرنے کو رواج دیا۔ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "مجھے اُس اللہ کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ حوضِ کوثر پر ایسے سب لوگ لائے جائیں گے جو میرے اصحاب میں سے بھی ہوں گے میں اُنھیں دیکھ کر کہوں گا "اصیحابی اصیحابی" میرے اصحاب میرے اصحاب۔ مگر مجھ سے کہا جائے گا۔ "آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعتیں انجام دیں۔ یہ تو اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ کر مرتد ہو گئے تھے۔"

(تفسیر ثعلبی۔ بخاری شریف، تفسیر صافی ص ۹۱)

www.drhasanrizvi.org

وَ اَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ (۱۰۷) وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

رہے وہ لوگ جن کے چہرے روشن ہوں گے تو وہ لوگ اللہ کی رحمت میں ہوں گے، وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے

آیت ۱۰۷ : حضرت ابوذرؓ غفاری سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اُتری تو جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا: "قیامت کے دن میری اُمت پانچ جھنڈوں کے ساتھ آئے گی۔ ایک جھنڈا اس اُمت کے گوسالے کا ہوگا۔ میں اُن سے پوچھوں گا کہ میرے بعد میرے ثقلین (دو بھاری قیمتی چیزیں۔ مراد قرآن اور اہلِ بیتِ رسولؐ) کے ساتھ تم نے کیا سلوک کیا؟ وہ کہیں گے کہ ثقلِ اکبر (قرآن مجید) کو تو ہم نے تحریف کرکے (اُس کے معنی بدل کر) پسِ پُشت ڈال دیا اور ثقلِ اصغر (مراد اہلِ بیتِ رسولؐ) سے ہم نے دشمنی کی اور اُن پر ظلم کیا۔" میں کہوں گا "تم بھوکے پیاسے ہی جہنم میں گھس جاؤ تمہارے منہ کالے ہوں۔" پھر دوسرا جھنڈا اس اُمت کے فرعون کا میرے پاس آئے گا۔ میں اُن سے بھی یہی سوال کروں گا کہ تم نے میرے بعد ثقلین (قرآن اور اہلِ بیتؑ) کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ وہ کہیں گے کہ ثقلِ اکبر میں (یعنی قرآن کا مطلب تفسیر اور تاویل بدل کر) ہم نے تحریف کی اور اُسے پھاڑ ڈالا اور اُس کی مخالفت کی۔ اور ثقلِ اصغر (مراد اہلِ بیتِ رسولؐ) سے ہم نے دشمنی کی اور اُن سے لڑے۔" میں اُن سے کہوں گا "تم بھی جہنم میں چلے جاؤ اور تمہارا بھی منہ کالا ہو۔" اس کے بعد تیسرا جھنڈا میری اُمت کے سامری کا آئے گا۔ اُن سے بھی میں ثقلین (قرآن اور اہلِ بیتؑ) کے بارے میں

www.drhasanrizvi.org

(بھی اسی طرح) سوال کروں گا، وہ جواب دیں گے کہ "ہم نے ثقلِ اکبر (قرآن مجید) کی تو نافرمانی کی اور اُسے چھوڑے رکھا۔ اور ثقلِ اصغر (اہلِ بیتؑ) کی ہم نے مدد کرنا چھوڑ دی اور اُن کو ضائع کر دیا۔ میں اُن سے کہوں گا: "تم بھی جہنّم میں پیاسے جاؤ اور تمہارا بھی منھ کالا ہو۔ پھر چوتھا جھنڈا ذو الثّدیہ کا آئے گا جس کے ساتھ شروع سے آخر تک سب خارجی ہوں گے۔ میں اُن سے بھی یہی سوال کروں گا: وہ کہیں گے کہ "ثقل اکبر (قرآن مجید) کو تو ہم نے پھاڑ ڈالا اور اُس سے علیحدہ رہے۔ اور ثقلِ اصغر (اہلِ بیتؑ) کے ساتھ ہم لڑے اور اُن کو قتل کیا۔" میں کہوں گا "تم بھی جہنّم میں پیاسے جاؤ۔"

پھر پانچواں جھنڈا علیؑ کا میرے پاس آئے گا۔ میں اُن سے بھی وہی پوچھوں گا کہ تم قرآن اور اہلِ بیتؑ سے کس طرح پیش آئے؟ وہ جواب دیں گے: "ہم نے ثقلِ اکبر (قرآن) کی تو پیروی کی اور ثقلِ اصغر (اہلِ بیتؑ) سے ہم نے محبّت کی۔ اُن کو اپنا ولی و سرپرست سمجھا۔ ہم نے اُن کی یہاں تک مدد کی کہ ہمارے خون تک بہائے گئے۔" پس میں اُن سے کہوں گا کہ تم (کوثر سے) سیراب ہو کر، نورانی چہروں کے ساتھ جنّت میں چلے جاؤ۔"

پھر حضورؐ نے یہی آیتیں پڑھیں۔ (تفسیر صافی ص۹۱ بحوالہ تفسیر قمی)

علّامہ عبید اللہ امرتسری لکھتے کہ حضرت محمّد مصطفٰےؐ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: "شبِ معراج جب میں بالائے آسمان گیا تو خداوندِ عالم نے میرے بھائی علی ابنِ ابی طالبؑ کے بارے میں وحی کی" بانہ سید المومنین وامام المتقین وقائد الغر المحجلین" علی مومنوں کے سردار، اور متّقیوں کے امام اور نورانی چہروں اور سفید ہاتھ پاؤں والوں کے پیشوا ہیں۔"

(ارجح المطالب ص۲۱)

www.drhasanrizvi.org

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا (۱۰۸) عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم آپ کے سامنے ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سُنا رہے ہیں (کیونکہ) اللہ دُنیا جہان والوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا (۱۰۹) فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ ع (۱۰۹)

اور آسمانوں و زمین کی ساری چیزوں کا مالک اللہ ہے۔ اور تمام معاملات (آخری فیصلے کے لیے) اللہ ہی کی طرف پلٹتے ہیں۔[۱]

ع ۸/۲

---

[۱] آیت ۱۰۹ : مطلب یہ ہے کہ تمہارا اختیار اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے مقابلے پر تو ہو سکتا ہے، لیکن خدا کے مقابلے پر نہیں ہو سکتا جو زمین اور آسمانوں کا مالک ہے اور تم جس کے مملوک ہو۔ لہٰذا اختیاری طور پر بھی تم کو چاہیے کہ تم خدا کے بیان کردہ احکامات اور نصوص کے مطابق خدا کے انتخاب کو مانو۔ یہی تمہارے خدا پر ایمان لانے کا ثبوت ہوگا۔ (فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ (۱۱۰)
لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ
تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ
اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا
لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ
اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

تم بہترین گروہ ہو جو تمام انسانوں (کی ہدایت اور اصلاح) کے لیے پیدا کیے گئے ہو (کیونکہ) تم نیکی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو، اور اللہ پر (مکمل) ایمان رکھتے ہو۔ اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو یہ اُن کے لیے بہت اچھا ہوتا۔ مگر اُن میں سے کچھ تو ایماندار ہیں، مگر اکثر اُن میں کے بدکار ہیں۔

آیت ۱۱۰ : حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "بھلا پوری اُمت بہترین اُمت کیونکر ہو سکتی ہے جبکہ اسی اُمت نے امام برحق علیؑ ابن ابی طالبؑ اور فرزندانِ رسولؐ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو قتل کیا"۔ بقولِ شاعر:

انسان اس طرح اُتر آئے عناد پر ☆ لعنت خدا کی حشر تلک ابنِ زیاد پر

اسی لیے جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا: "یہ آیت مخصوص طور پر خدا کے رسولؐ اور اُن کے اوصیاءؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اِس سے مراد وہ گروہ ہے جن کے بارے میں حضرت ابراہیمؑ کی دُعا (وَمِنْ ذُرِّيَّتِي - یعنی اور میری اولاد میں سے) قبول ہوئی"۔

مطلب یہ ہے کہ اِس سے مراد وہ ائمہ معصومینؑ ہیں جنکو خدا کی جانب سے امامت کا منصب عطا ہوا۔ (تفسیر صافی)

www.drhasanrizvi.org

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ (۱۱۱)

یہ تمھارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ سوا اس کے کہ کچھ ستالیں یا تھوڑا سا نقصان پہنچالیں۔ اور اگر یہ تم سے لڑیں گے تو تمھارے سامنے پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر انھیں کہیں سے مدد بھی نہ ملے گی۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ (۱۱۲)

یہ جہاں بھی پائے جائیں ان پر ذلت کی مار پڑی ہے۔ سوا اس کے کہ کہیں اللہ کی طرف سے کوئی عہد ہو یا دوسرے لوگوں سے عہد باندھ کر پناہ مل گئی ہو۔ یہ لوگ اللہ کے غضب میں گھر چکے ہیں۔ ان پر محتاجی اور مغلوبی کی مار مسلط کر دی گئی ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوا ہے کہ یہ لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے رہے ہیں۔ اور انھوں نے خدا کے پیغمبروں کو ناحق قتل کیا۔ یہ اُسی کی سزا ہے کہ انھوں نے خدا کی نافرمانی کی اور ہمیشہ حدود سے نکل کر ظلم اور زیادتی کرتے رہے۔ (۱۱۲)

آیت ۱۱۲: حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "حَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ" یعنی

www.drhasanrizvi.org

اللہ کے عہد و پیمان کی پناہ میں آنے سے اوّلین مراد کتاب خدا (کی پناہ میں آنا) ہے۔ اور "حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ" یعنی، لوگوں کے عہد و پیمان کی پناہ میں آجانے سے اوّلین مراد حضرت علیؑ کی پناہ میں آنا ہے۔

(تفسیر صافی صفہ ۹۱ بحوالہ تفسیر عیاشی)

۲۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: "خدا کی قسم اِن لوگوں نے انبیاءؑ کو نہ تو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا اور نہ اپنی تلواروں سے۔ بلکہ اُنھوں نے جو باتیں نبیوں سے سُنیں اُنھیں (ظالموں پر) ظاہر کر دیا جس پر وہ پکڑے گئے اور قتل کیے گئے۔ پس انبیاءؑ کے راز فاش کرنے والے اُن کے قاتلین میں شمار ہوئے۔"

(تفسیر صافی صہ ۹۱ بحوالہ تفسیر عیاشی و کافی)

۳۔ آیت کے اِن الفاظ سے کہ "یہودیوں پر ذلّت لکھ دی گئی ہے"، مسلمان یہ سمجھے کہ دُنیا میں یہودیوں کی کوئی سلطنت نہیں ہو سکتی۔ مگر قرآن نے واضح طور پر استثنار کر دیا ہے کہ وہ خود اپنی طاقت کے بل پر اِس ذلّت سے کبھی نہیں نکل سکتے۔ ہاں اللہ کی طرف سے کوئی معاہدہ ہو۔ یعنی جزیہ دے کر اسلام کی پناہ میں آجائیں، یا کسی اور عالمی طاقت کے سہارے پر قوّت حاصل کرلیں، تو یہ اور بات ہے۔ کیا دُنیا اب بھی اعجازِ قرآنی کا انکار کر سکتی ہے؟

(فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝۱۱۳ (۱۱۳)

مگر وہ (سب کے سب) برابر نہیں ہیں۔ (انہی) اہلِ کتاب میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو سیدھے راستے پر قائم ہیں۔ جو راتوں کو اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں اور وہ (خدا کے آگے) سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۱۴ (۱۱۴)

وہ اللہ اور قیامت کے دن کو دل سے مانتے ہیں اور لوگوں کو اچھی اچھی باتوں کی ہدایت کرتے ہیں، اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور اچھے کاموں میں تیزی سے آگے بڑھتے ہیں۔ یہ نیک اور صالح لوگ ہیں ۔ل

آیت ۱۱۴ ل : اِس سے مراد اہلِ کتاب کے وہ افراد ہیں جنھوں نے سچّے دل سے اسلام قبول کرلیا تھا (تفسیر صافی)

قرآن کے نزدیک جو لوگ صالح ہوتے ہیں اُن کے اوصاف اور خصوصیات بیان کیے جارہے ہیں۔ اُن کی خاص بات یہ ہوگی کہ نیکیوں کی طرف بے دلی اور بدشوقی سے نہیں، بلکہ شوق و اشتیاق سے لپکیں گے۔ (بحر۔ قرطبی)

www.drhasanrizvi.org

وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ (۱۱۵) اور وہ جو بھی نیک کام کریں گے،
فَلَنْ يُكْفَرُوهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ اُس کی ہرگز ناقدری نہ کی جائے گی۔
بِالْمُتَّقِينَ ۝ اور اللہ پرہیزگاروں سے بخوبی واقف ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ (۱۱۶) رہے وہ کہ جنھوں نے کفر کیا تو
عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ انھیں اُن کے اَموال اور اولاد اللہ
مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ (کے عذاب) سے بالکل بھی نہ بچا سکیں
أَصْحَابُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا گے۔ وہ تو دوزخی ہیں، اور وہ اِس
خَالِدُونَ ۝ آگ میں ہمیشہ رہیں گے۔ ؎۲

آیت ۱۱۵ ؎۱ : حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مومن کی نیکیوں کا لوگوں میں چرچا نہیں ہوتا، بلکہ اُس کی نیکیوں کا اِس لیے انکار کیا جاتا ہے کہ اُس کی ساری کی ساری نیکیاں خدا کے پاس چلی جاتی ہیں اور لوگوں میں اس کا چرچا نہیں ہوتا لیکن کافر کی نیکیوں کی قدر کی جاتی ہے اُس کا چرچا بھی ہوتا ہے کیونکہ وہ نیکیاں (اللہ کیلئے نہیں بلکہ) لوگوں کی تعریف کیلئے کرتا ہے اس لیے وہ لوگوں میں پھیل جاتی ہیں مگر آسمان میں نہیں چڑھتیں۔" ٭

آیت ۱۱۶ ؎۲ مال اور اولاد پر انسان بڑا بھروسہ کرتا ہے کہ یہ آڑے وقت میں کام آئیں گے۔ ان لوگوں سے کہا جا رہا ہے کہ مال اولاد عذابِ خدا سے نہیں بچا سکتے۔ (مجمع البیان)

٭ (تفسیر صافی ص۹۱ بحوالہ علل الشرائع)

www.drhasanrizvi.org

مَثَلُ مَا یُنْفِقُوْنَ فِیْ هٰذِهِ (۱۱۷) جو کچھ بھی وہ اپنی اِس دنیا کی
الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَثَلِ رِیْحٍ زندگی میں خرچ کر رہے ہیں اُس کی
فِیْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ مثال اُس ہوا کی سی ہے جس میں پالا
قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ (برفیلی ہوا) ہو اور وہ اُن لوگوں کی کھیتی
وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ پر چلے جنھوں نے گناہ کرکے خود اپنے
اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝ ہی اوپر ظلم کیا ہے اور اُسے برباد کر دے اور

اللہ نے اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ درحقیقت یہ گناہ کرکے اپنے اوپر خود ظلم کرتے رہے تھے۔

نمائشی و ریاکاری کی خیرات کا نتیجہ خود اپنے اوپر ظلم کرنا ہے۔

(آیت ۱۱۷) کی وضاحت:

اِس مثال کا مطلب یہ ہے کہ جسطرح کھیتی برفیلی اور شدید سرد ہوا سے برباد ہو جاتی ہے اِسی طرح دنیا میں شو بازی اور نمائشی اخراجات جو بظاہر آنکھوں کو تو بہت بھلے لگتے ہیں مگر نتیجے میں سب اکارت ہو جائیں گے، اِن اخراجات سے اُنھیں خوشنودیٔ خدا حاصل نہیں ہو سکتی۔

اِس آیت میں بتایا گیا ہے کہ مال کی کثرت خدا کے عذاب سے نہیں بچا سکتی اور دنیا میں دولت کا خوب نمائشی کاموں، ریاکاری کی خیراتوں اور اپنی شان و شوکت بگھارنے کے لیے خرچ کرنے کا حاصل اپنی بربادی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

www.drhasanrizvi.org

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۱۱۸ (۱۱۸)

اے ایمان والو! اپنی جماعت کے سوا دوسرے لوگوں (اغیار) کو اپنا جگری دوست نہ بناؤ۔ وہ تو تمھیں نقصان پہنچانے میں کوئی کمی نہیں کریں گے۔ وہ تو تمھیں تکلیف دینے کی تمنّا رکھتے ہیں۔ اُن کی دشمنی تو اُن کے منہ اور ہونٹوں سے ظاہر ہو رہی ہے۔ اور جو (دشمنی اور نفرت) وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں، وہ تو اُس سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ ہم نے تو تمھیں صاف صاف ہدایتیں اور نشانیاں بتا دیں، اگر تم عقل رکھتے ہو۔

اغیار کو اپنا جگری رازدار دوست نہ بناؤ
ایمان والوں کو اللہ کی ہدایت :

آیت ۱۱۸ : "بِطَانَةً" کے اصل معنی : اَسْتَر۔ یعنی کپڑے کے باطنی حصّے کے ہیں جو جسم کے ساتھ ملا رہتا ہے۔ کیونکہ یہ "بطن" کے لفظ سے نکلا ہے۔ کپڑے کے اوپر کے حصّے کو "ظہر" اور اندر کے حصّے کو "بطن" کہتے ہیں۔ جس طرح ہم اُردو میں بولتے ہیں: "وہ تو اُس کا اُوڑھنا بچھونا ہے" یعنی وہ چیز اُسکی بہت پسندیدہ اور محبوب ہے۔ اِسی طرح "بِطَانَةً" اُس دوست کو کہتے ہیں جو باطنی اُمور یعنی رازوں سے واقف ہو۔ اس کے معنی جگری رازدار دوست کے ہیں۔ (لغات القرآن نعمانی جلد ۲ ص ۳۵)

www.drhasanrizvi.org

هٰاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَ (۱۱۹) تمہارا تو یہ حال ہے کہ تم اُن سے
لَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَ تُؤْمِنُوْنَ محبت کرتے ہو، مگر وہ تم سے ذرا
بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ محبت نہیں کرتے (کیونکہ) تم تو تمام
قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا (آسمانی) کتابوں کو دل سے مانتے ہو[1]۔ مگر
عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ وہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم
قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ نے مان لیا لیکن جب وہ تم سے الگ
اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ ہو کر اکیلے ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف
غیظ و غضب کی شدت میں اپنی اُنگلیاں[2] تک چبا ڈالتے ہیں۔ تو آپ کہدیں کہ تم
اپنے غصّے میں آپ مر جاؤ۔ بیشک اللہ تو (تمھارے) دلوں کے چھپے ہوئے رازوں
تک کو خوب جانتا ہے ——— (۱۱۹)

---

[1] مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! تم تو اللہ کی ہر کتاب کو مانتے ہو مگر اہلِ کتاب قرآن کو نہیں مانتے

مدینے کے منافقوں کا حال

[2] "غصّے سے اُنگلیاں کاٹنا" عربی میں کنایہ ہے "شدید جھنجھلاہٹ سے۔ اُردو محاورے میں اِس کے معنیٰ بوٹیاں نوچنا اور "دانت پیسنا" آتا ہے۔ اور یہ مدینے کے منافقوں کا ذکر ہے۔ (قرطبی)

www.drhasanrizvi.org

اِنۡ تَمۡسَسۡكُمۡ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ (۱۲۰) وَاِنۡ تُصِبۡكُمۡ سَيِّئَةٌ يَّفۡرَحُوۡا بِهَا ؕ وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا لَا يَضُرُّكُمۡ كَيۡدُهُمۡ شَيۡـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ ۱۲۰ ع

اگر تمھارا کوئی بھلا یا فائدہ ہوتا ہے، تو اُن (منافقوں) کو بہت بُرا لگتا ہے۔ اور اگر تمھیں کوئی بُرائی، مصیبت یا نقصان پہنچتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں[۱]۔ مگر اُن کی کوئی ترکیب تمھیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچائے گی بشرطیکہ تم صبر سے کام لو اور اللہ کے عذاب سے ڈر کر فرائضِ الٰہیہ کو ادا کرتے رہو اور بُرائیوں سے بچتے رہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ اُن کے تمام کاموں پر پوری طرح حاوی ہے[۲]۔ (۱۲۰)

اہلِ کتاب کی منفی سوچ اور پست ذہنیت

[۱] یعنی وہ اہلِ کتاب تمھارے لیے چھوٹی سے چھوٹی بھلائی تک دیکھنا نہیں چاہتے۔ (ابلاغی)

اُنھیں صرف خطرے ہی سے اطمینان نہیں ہوتا، بلکہ وہ اُس وقت تک خوش نہیں ہوتے جب تک کوئی نقصان یا مصیبت پورے پورے طور پر تم مسلمانوں پر اثر انداز نہ ہو۔ (بلاغی)

"یہ اُن کی انتہائی منفی سوچ، پست ذہنیت اور انتہائی دلی نفرت کا بیان ہے۔"

[۲] اِس آیت میں مکمّل تعلیم اِس بات کی آگئی کہ دشمن سے محفوظ رہنے کے لیے بہترین حربہ صبر اور تقویٰ ہے۔ (مدارک)

www.drhasanrizvi.org

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ (۱۲۱) تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ

اور وہ موقع جب صبح سویرے آپؐ اپنے گھر سے نکلے تھے اور مسلمانوں کو جنگ کیلیے مناسب جگہوں پر جگہ دے رہے تھے، اور اللہ سب کچھ سُننے والا اور بڑا ہی جاننے والا ہے۔

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ (۱۲۲) اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ

جب تم میں سے دو گروہوں نے پہلے ہی سے ارادہ کرلیا تھا کہ وہ سستی دکھائیں گے حالانکہ اللہ تو اُن دونوں کا مالک، مددگار اور سرپرست تھا۔ اور ایمانداروں کو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔

جنگِ اُحد میں مسلمانوں کی حالت اور حضرت علیؑ کی شجاعت پر جبرئیلؑ کی قصیدہ خوانی لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیْ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ یہ آیت اس طرح اُتری کہ مکے کے قریش جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے لڑنے کے لیے نکلے تو آنحضرتؐ بھی مدینے سے دفاع کے لیے نکلے۔ کافروں کا لیڈر ابوسفیان تھا جو بدر میں مسلمانوں سے بُری طرح شکست کھا چکا تھا۔ اُس جنگ میں کافروں کے ستّر آدمی مارے گئے تھے اور ستّر ہی قید ہوئے تھے۔ ابوسفیان نے عورتوں سے کہدیا تھا کہ اپنے مقتولین پر نہ روئیں کیونکہ رونے سے دل کا غبار نکل جاتا ہے تو غصہ ختم

(باقی اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

(بقیہ از صفحہ گذشتہ ۳۵۸) ۔ ہو جاتا ہے۔ پھر جب اُحد کے لیے تیار ہو کر تین ہزار جوان ابو سفیان کے ساتھ آئے تو ابوسفیان نے عورتوں کو رونے کی اجازت دے دی تاکہ سب کا غصّہ خوب بھڑک اُٹھے۔ کافروں کی فوج کے ساتھ ابوسفیان کی بیوی امیر معاویہ صاحب کی ماں ہندہ بھی تھی جس نے حضرت امیر حمزہؑ کا کلیجہ چبایا اور آپ کے دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں، کان، ناک اور اعضاءِ رئیسہ کاٹ کر اُن کا ہار پہنا۔ اسی جنگ میں سارے مسلمان میدان چھوڑ کر تشریف لے گئے۔ البتّہ حضرت علیؑ، سمک بن خوشہ اور ابوذجانہ جناب رسولِ خداؐ کو گھیرے رہے، اور دشمنوں سے آپؐ کو بچاتے رہے۔ پھر اسی جنگ میں جبرئیلؑ پکارے: "لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار" (یعنی۔) علیؑ کے سوا کوئی جوان نہیں، ذوالفقار کے سوا کوئی تلوار نہیں۔ (تفسیر صافی ص۹۲ بحوالہ تفسیر قمیؒ و تفسیر عیاشی)

اس وقت رسولِ خداؐ مسلمانوں کو مناسب مورچوں پر جگہ دے رہے تھے اور تیر اندازوں سے فرمایا تھا کہ تم کسی حال میں بھی اس جگہ کو نہ چھوڑنا۔ اس ذکر کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ مسلمانوں نے اُس گھاٹی کو چھوڑ دیا جس کی وجہ سے مسلمانوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

یہ دونوں گروہ جن کا ذکر کیا گیا اور جنھوں نے سُستی دکھائی، وہ گروہ بنوسلمہ اور بنوحارثہ کے انصاری گروہ ہیں۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، مجمع البیان از قول امام جعفر صادقؑ)

دوسری احادیث میں اس سے مراد عبداللہ ابنِ اُبی اور اُس کے ساتھی بھی ہیں۔ (تفسیر قمیؒ)

www.drhasanrizvi.org

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ (۱۲۳) وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ۱۲۳	اور بلا شبہ اللہ نے (جنگ) بدر میں تمہاری مدد کی، جبکہ تم کمزور تھے لہٰذا اللہ کی ناراضگی سے بچتے رہو شاید کہ (اس طرح) تم شکر گذار بن جاؤ۔
اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ (۱۲۴) يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝ ۱۲۴	جب آپؐ مومنین سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں کو اُتار کر تمہاری مدد کرے؟

جنگِ بدر اور نصرتِ خدا پر مختصر تبصرہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ "جس حالت میں رسولِ خداؐ اُن میں موجود تھے تو وہ لوگ ہرگز ذلیل نہ تھے" اَذِلَّة "کے معنی ضُعَفَاء" یعنی "کمزور" کے ہیں۔ کیونکہ مجاہدینِ بدر صرف ۳۱۳ تھے اور کُفّار تین ہزار تھے۔ اِس لیے مسلمان اتنے بڑے لشکر کے مقابلے میں عددی اعتبار سے کمزور تھے"۔ حضرت ابوذر نے بھی "اَذِلَّة" کی تفسیر "قلیل" سے کی۔ یعنی بدر والوں کی تعداد قلیل تھی۔ (تفسیر صافی ص۲۹۱ بحوالہ تفسیر قمی و تفسیر عیاشی)

جنگِ بدر میں مسلمانوں کے پاس کل ۳۱۳ آدمی، صرف ۱۲ تلواریں، دو گھوڑے تھے۔

اسی کو خدا نے مسلمانوں کے لیے فرمایا کہ "جب تم کمزور تھے"۔ (تفسیر صافی، بلاغی)

www.drhasanrizvi.org

اب اس کے بعد بھی مسلمانوں کو فتح ہوتی تو اس کو خدا کی مدد کے سوا اور کیا سمجھا جا سکتا ہے ؟ (فصل الخطاب)

اُنیسویں صدی کا انگریز مورّخ باسورتھ اسمتھ ابتدائی غزوات کے بارے میں لکھتا ہے کہ:

"وہ اخلاص، ایثار اور شجاعت کے لحاظ سے ہومر کے افسانوں سے بھی بڑھے ہوئے ہیں"۔

(محمدؐ اینڈ محمدازم صـ۲۰۶)

توحید اور شرک کے درمیان بدر کا میدان سب سے پہلا جائے تصادم تھا جو جمعہ کے دن ۱۷ ماہ رمضان ۲ھ ہجری مطابق ۱۱ مارچ ۶۲۴ء عیسوی کو پیش آیا۔ اس غزوے نے تاریخ عالم کا رُخ پلٹ دیا۔ فرنگی مؤرخین بھی اس کی اہمیت کو مانتے ہیں۔ ہسٹری آف دی ورلڈ میں ہے

"فتوحاتِ اسلامی کے سلسلے میں جنگِ بدر انتہائی اہمیت رکھتی ہے"۔

(ہسٹری آف دی ورلڈ جلد ۸ صـ۱۲۲)

اور امریکی پروفیسر ہِٹی نے لکھا : "یہ اسلام کی سب سے پہلی کھلی ہوئی فتح تھی"

(ہسٹری آف دی عربس صـ۱۱۷)

خدا کا فرمانا کہ "تم کمزور تھے" یعنی تعداد میں قلیل اور سامان میں مسلمان بہت حقیر تھے۔ مسلمانوں کی کُل تعداد ۳۱۳ اور پوری فوج کے ساتھ صرف دو گھوڑے اور ۷۰ اونٹ تھے۔ مگر کیونکہ مسلمانو! تم نے اپنی طرف سے تقویٰ کا حق ادا کیا تو خدا کی طرف سے فضل اور نصرت نے ہاتھ تھاما۔

(جلالین، قرطبی، بحر)

www.drhasanrizvi.org

بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَ (۱۲۵) يَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝۱۲۵

کیوں نہیں، اگر تم صبر اور برداشت کرو گے اور فرائض الٰہیہ کو ادا کرتے ہوئے برائیوں سے بچو گے، تو جس وقت بھی دشمن تم پر حملہ کریں گے تو فوراً تمہارا پروردگار پانچ ہزار ایسے فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا جن پر نشانات لگے ہوں گے۔[۱]

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ۙ (۱۲۶)

اور یہ اللہ نے اس لیے کیا ہے کہ تم خوش ہو جاؤ اور اس لیے کہ تمہارے دلوں کو اس سے اطمینان حاصل ہو جائے۔ اور نصرت نہیں ہوتی مگر اللہ ہی کی طرف سے جو بڑی زبردست قوت والا ہے اور حکمت والا ہے۔

جنگِ بدر میں مدد کرنے والے فرشتوں کی خصوصیت

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ: "جو فرشتے بدر کے دن بھیجے گئے تھے اُن کے سروں پر عمامے تھے اور وہ فرشتے آسمان پر واپس نہیں چڑھے اور وہ امام مہدی علیہ السلام کی نصرت کریں گے اور اُن فرشتوں کی تعداد پانچ ہزار ہے

(تفسیر صافی صد ۹۳ بحوالہ تفسیر عیاشی)

(مسلسل ہے)

www.drhasanrizvi.org

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ (۱۲۷) كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنقَلِبُوا خَائِبِينَ ۝۱۲۷

(اور یہ مدد اس لیے ہے) تاکہ کافروں کے ایک بڑے حصے کا ایک بازو کاٹ دے یا انھیں ایسی ذلیل شکست دے کہ وہ ناکام ہو کر واپس چلے جائیں۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ (۱۲۸) يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ۝۱۲۸

خدا کے امر (حکم یا فیصلے) میں آپؐ کو کوئی دخل یا اختیار نہیں ہے۔ خدا چاہے تو اُن کی توبہ کو قبول کرے اور چاہے تو انھیں سزا دے کیونکہ وہ ظالم ہیں

نصرت و فتح کی وجہ

مطلب یہ ہے کہ خدا کو فتح عطا کرنے کے لیے فرشتے بھیجنے کی بھی کوئی ضرورت نہ تھی، مگر کیونکہ یہ مسلمانوں کی پہلی لڑائی تھی اس لیے اللہ نے چاہا کہ نفسیاتی طور پر فرشتے دیکھ کر مسلمانوں کے دل مضبوط ہو جائیں۔ (تفسیر صافی)

بخاری شریف کی حدیث "علیؑ کے ہاتھ پر فتح"

غرض اصل فتح دینے والا خدا ہے چاہے وہ فرشتوں کے ذریعے فتح دے اور چاہے تو کسی انسان کو فتح کا ذریعہ بنا دے۔ چنانچہ اُحد اور خیبر میں صرف حضرت علیؑ کی تلوار سے مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی جن کیلئے رسولؐ نے فرمایا تھا: "یفتح اللہ علی یدیہ" (خدا علیؑ کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائے گا)*

۱ حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ: "اس آیت کی وجہ نزول یہ بھی تھی کہ جناب رسول خداؐ

(باقی اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ ۱۲۹

(۱۲۹) اور جو کچھ آسمانوں میں یا زمین میں ہے (سب کا سب) اللہ ہی کا ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے اور اللہ تو بڑا بخشنے والا بڑا ہی رحمت والا ہے۔

(بقیہ از صفحہ ۳۶۳) کو یہ فکر تھی کہ لوگ حضرت علیؑ سے حسد اور عداوت رکھتے ہیں تو وہ اُنکی وصایت کو کیسے مانیں گے؟ خدا نے اپنے رسولؐ سے فرمایا کہ "اس وصایت کے معاملے میں آپؐ کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ آپؐ ہمارے حکم سے علیؑ کو اپنا وصی اور اپنے بعد اولوالامر قرار دیں"

(تفسیر صافی ص۹۳ بحوالہ تفسیر عیاشی)

خدا جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے وہ مقتدر ہے

"خدا جسے چاہتا ہے بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے" یہ خدا کے اقتدار کا اظہار ہے لیکن اس کا ہرگز مطلب یہ نہیں کہ خدا کا چاہنا کسی اصول یا معیار کے بغیر ہوتا ہے۔ اس لیے کہ وہ حکیم بھی ہے اور عادل بھی۔

بہرحال یہ حقیقت مسلّم ہے کہ معاف کرنا یا نہ کرنا خدا کے ہاتھ میں ہے کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں۔ اس سے انسان کے دل میں خوفِ خدا بھی پیدا ہوتا ہے اور امیدِ معافی بھی۔ یہی ایمان کا جوہر ہے۔ (فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا (۱۳۰)
الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً
وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

اے ایمان والو! یہ دُگنا چوگنا بڑھتا چڑھتا سود کھانا چھوڑ دو اور اللہ کے غضب سے بچو۔ (اس طرح) شاید تم ہر طرح کی کامیابی اور بہتری حاصل کرسکو۔

"دوگنا چوگنا" سے مراد

"دوگنا چوگنا" قید یا شرط کے طور پر نہیں کہا گیا ہے یعنی یہ مطلب نہیں کہ اگر دوگنا چوگنا سود نہ لیا جائے تو سود جائز ہے۔ اصل میں اُس زمانے میں ہوتا یہی تھا کہ سود دوگنا چوگنا لیا جاتا تھا، اس لیے ان کے فعل کی سخت بُرائی کو ظاہر کرنے کے لیے دوگنا چوگنا فرمایا گیا ہے۔ (تفسیر صافی)

مثلاً قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ "اللہ کی آیتوں کو تھوڑی قیمت پر نہ بیچو" اس کا مطلب یہ نہیں کہ زیادہ قیمت ملے تو بیچ ڈالو۔ یا خدا کا یہ فرمانا کہ "یہودی نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں" اس کا مطلب یہ نہیں کہ نبیوں کو حق کے ساتھ قتل کیا جاسکتا ہے۔

اُحُد کی شکست کا بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمان عین کامیابی کے موقع پر مال کی طمع سے مغلوب ہوگئے اور جہاد کے بجائے مالِ غنیمت لوٹنے پر اُتر آئے۔ خدا نے اس حالت کی اصلاح کے لیے طمع اور زر پرستی کی جڑ کاٹی اور حکم دیا کہ سود خوری سے باز آؤ۔ سود خور آدمی رات دن سود کے بڑھتے رہنے کا ہی حساب لگاتا رہتا ہے۔ اور اس طرح اُس کی حرص بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ (تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ (۱۳۱) لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ (۱۳۱)
اور بچو اُس (بھڑکتی) آگ سے جو منکروں کے لیے تیار ہے۔[۱]

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ (۱۳۲) لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (۱۳۲)
اور اللہ اور رسولؐ کا حکم مان لو۔ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ (۱۳۳) رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (۱۳۳)
اور تیزی سے دوڑو اپنے پالنے والے کی بخشش اور اُس کی جنّت کی طرف، جس کی چوڑائی تمام آسمانوں اور زمین (جیسی)[۳] ہے جو اُن لوگوں کے لیے تیار ہے جو متقین ہیں۔ (یعنی) فرائضِ الٰہیہ کے ادا کرنے اور گناہوں سے بچنے والے ہیں۔[۲]

---

[۱] جہنّم کی آگ منکروں کیلئے بھڑکائی گئی ہے

"اُس آگ سے بچو" کے معنی اُن کاموں سے بچو جو آگ میں لے جانے والے ہیں۔ (مجمع البیان)

اکثر مفسرین نے لکھا کہ یہاں جہنّم کا وعدہ اُن لوگوں سے ہے جو سود خوری کو حلال سمجھتے ہیں کیونکہ وہ کُفر کی حدوں میں داخل ہیں۔ (قرطبی، بحر، بقول ابنِ عباسؓ)

[۲] جنّت کی وسعت اور مغفرت کا ذکر

مطلب یہ ہے کہ معاف کرنا خدا کا کام ہے بندے کا کام ایسے کاموں کی طرف جلدی سے جانا ہے جو اُسے خدا کی معافی کا مستحق بنا دیں۔*

[۳] جنّت کی وسعت کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ اطمینان حاصل ہو جائے کہ وہاں کبھی کسی چیز کی کمی کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا (بلاغی)

*(تفسیر ماجدی)

www.drhasanrizvi.org

اَلَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ فِى السَّرَّآءِ (۱۳۴)
وَالضَّرَّآءِ وَالۡكٰظِمِيۡنَ الۡغَيۡظَ
وَالۡعَافِيۡنَ عَنِ النَّاسِ‌ؕ
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ‌ۚ‏ (۱۳۴)

جو خوشحالی اور تنگی (دونوں) میں خیرات کرتے ہیں، اور غصّے کو پی جاتے ہیں، اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں، اور اللہ (ایسے) احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔[۱]

سود خوری کے نقائص

سود خوری جس سوسائٹی کے اندر ہوتی ہے اُس میں کئی قسم کے اخلاقی امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ سود لینے والوں میں طمع، بُخل اور خود غرضی، انسان دشمنی اور استحصال کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اور سود دینے والوں میں سود لینے والوں سے نفرت، غصّہ، بُغض اور حسد پیدا ہوتا ہے۔ سود کے مقابلے میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والی سوسائٹی میں ایثار، انسان دوستی، سخاوت اور آخرت کے لیے کام کرنے کا جذبہ پروان چڑھتا ہے

متّقین کے اوصافِ حمیدہ اور اُن کی مدح

[۱] حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص اس حالت میں اپنے غصّے کو روک لے جبکہ وہ قدرت رکھتا ہو کہ جو چاہے کرے، تو اللہ قیامت کے دن اُس کے دل کو اپنی رضامندی سے بھر دے گا۔"

(تفسیر صافی ص ۹۳ بحوالہ کافی)

(باقی اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

(بقیہ از صفحہ ۳۶۷)

غصّے کو پی کر معاف کرنے والوں کی مدح

حضرت امام محمّد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا ؐ نے ارشاد فرمایا: "میں تمہیں معاف کرنے کی تاکید کرتا ہوں، کیونکہ معاف کرنے سے انسان کی عزّت بڑھتی ہے۔ تم دوسروں کے قصور معاف کرو تو خدا تمہاری عزّت بڑھائے گا۔"

(تفسیر صافی صفحہ ۹۳ بحوالہ کافی)

حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام نماز کی تیّاری کر رہے تھے۔ آپؑ کی لونڈی کے ہاتھ سے لوٹا گر پڑا اور امامؑ کو چوٹ لگی۔ حضرتؑ نے لونڈی کو غصّے سے دیکھا تو اُس نے اسی آیت کا پہلا حصّہ پڑھا یعنی "وہ لوگ جو غصّے کو پی جاتے ہیں"۔ آپؑ نے فرمایا: "میں نے غصّہ پی لیا"۔ پھر لونڈی نے آیت کا دوسرا حصّہ پڑھا، یعنی "جو لوگوں کو معاف کرتے ہیں"۔ امامؑ نے فرمایا: "میں نے تمہیں معاف کیا"۔ "اللہ بھی تمہیں معاف کرے"۔ پھر لونڈی نے اسی آیت کا تیسرا حصّہ پڑھا: یعنی: "خدا نیک کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے"۔ امامؑ نے فرمایا: "جا میں نے تجھے خدا کی راہ میں آزاد کیا"۔ (تفسیر صافی صفحہ ۹۳ بحوالہ تفسیر مجمع البیان و ماجدی)

آرنلڈ اور دیگر مستشرقین نے لکھا:

آرنلڈ اور دوسرے مستشرقین نے لکھا کہ عرب جیسی بد مزاج، تیز مزاج، جنگجو قوم کے سامنے حلم وضبط، صلح وآشتی کے ایسے بلند معیار پیش کرنا اور پھر اُس تعلیم کو کامیاب بنانا بجائے خود ایک معجزہ ہے۔

محققین نے لکھا کہ مدح اس بات کی نہیں ہو رہی ہے کہ اُن کو غصّہ سرے سے آتا ہی

www.drhasanrizvi.org

نہیں۔ بلکہ مدح اس بات پر ہے کہ غصّے میں قابو سے باہر نہیں ہوتے۔ عقل جذبات پر حاکم رہتی ہے۔ غصہ پیدا ہوتا ہے، حرارتِ طبعی یا حمیّت سے۔ اُس کو سرے سے فنا کر دینا اسلام کا مقصود نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ غصّہ حد میں رہے، محلِ مناسب پر ہو۔ اس کی فضیلت میں بہت سی احادیث ہیں:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جو غصّے کو پی جائے جبکہ وہ اس کو نافذ کرنے پر قادر بھی ہو تو خدا اُس کے دل کو ایمان اور امن سے بھر دے گا۔" (ماجدی)

معاف کرنے والوں کا مرتبہ کاظمین سے بلند ہے

غصّے کے پی جانے والوں سے مرتبہ معاف کرنے والوں کا زیادہ ہے۔ کیونکہ غصّہ پی جانا ایک سلبی کیفیت ہے اور معاف کرنا ایجابی کیفیت ہے۔

احسان کرنے والوں کا مرتبہ دونوں سے بلند ہے

محسنین کا درجہ دونوں سے بلند ہے۔ یعنی صرف معاف نہیں کرتے بلکہ احسان بھی کرتے ہیں۔ محدث بیہقی نے امام زین العابدینؑ کا قصّہ جو اوپر (قبل ازیں) بیان ہوا لکھا اور آخر میں لکھا کہ: "رسولِ اسلام کی زندگی تو قرآن کے سانچوں میں ڈھلی ہوتی تھی ہی لیکن رسولؐ سے قرابت رکھنے والے بھی کس درجہ نفوسِ قدسیہ کے مالک بن چکے تھے۔" (ماجدی)

جوشؔ نے کہا ؎ "اہلِ بیتِ پاک کے ہر سانس کو اے مدّعی ٭٭ ہاں ملا کر دیکھ لے آیاتِ قرآنی کے ساتھ۔"

www.drhasanrizvi.org

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً (۱۳۵)
اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا
اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ
وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا
اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا
فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳۵

اور یہ لوگ اگر کوئی بڑا بُرا کام[1] کر لیتے ہیں یا (کوئی گناہ کر کے) اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں تو اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگتے ہیں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو معاف کر سکتا ہے ' اور وہ (لوگ) اپنے بُرے کام پر جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے ۔

---

[1] "فَاحِشَةً" یعنی بڑے بڑے بُرے کام ۔ (تفسیر صافی)

شانِ نزولِ آیت، کفن چور کا قصّہ

اِس آیت کے شانِ نزول میں یہ قصّہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک جوان آدمی قبروں سے مُردوں کے کفن چرا تا تھا۔ ایک دفعہ ایک جوان لڑکی کی قبر سے کفن نکال رہا تھا کہ اُس کی نیّت خراب ہوگئی اور خاتون کی بے حُرمتی کر بیٹھا۔ پھر اُس کا ضمیر بیدار ہوا اور اُس نے توبہ کی۔ اُسی کے سلسلے میں یہ آیت اُتری۔ (مجمع البیان)

صحیح استغفار

استغفار صحیح وہی ہے جو صرف زبان سے نہیں دل کی حسرت اور ندامت کے ساتھ ادا ہوتا ہے اِس عزم کے ساتھ کہ اب وہ گناہ دوبارہ نہ کیا جائے گا۔ اگر یہ نہ ہو تو استغفار خود قابلِ استغفار ہو جائے گا، عجب نہیں کہ

(باقی اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

أُولَٰئِكَ جَزَآؤُهُم مَّغْفِرَةٌ (۱۳۶) مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّٰتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَٰمِلِينَ ۝ ۱۳۶

ایسے ہی لوگوں کا صلہ اُن کے رب کی بخشش ہے اور وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور کتنا اچھا معاوضہ ہے نیک کام کرنے والوں کا۔ ؎

(بقیہ از صفحہ ۳۶) اس کے بغیر استغفار کا شمار استہزاء میں ہو جائے۔ (قرطبی)

نتیجہ : محققین نے نتیجہ نکالا کہ گناہوں کی معافی صرف اور صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس میں رد ہے مسیحی عقیدے کہ گناہوں کی معافی مسیح بلکہ اُن کے کاتبوں کے اختیار میں ہے۔ انجیل میں ہے کہ "اُن سے کہا کہ روح القدس کو لو۔ جن کے گناہ تم بخشو اُن کے بخشے گئے اور جن کے گناہ تم قائم رکھو اُن کے قائم رکھے گئے ہیں۔" (یوحنا ۲۱ سے ۲۴)

اللہ جلّ جلالہ کی نظر میں توبہ قابلِ انعام عمل ہے :

آیت ۱۳۶ : یہ خداوند عالم کی عظیم مہربانی ہے کہ وہ گناہوں پر توبہ کرنے سے صرف گناہ معاف ہی نہیں کرتا، بلکہ اس توبہ استغفار کو بھی ایک قابلِ معاوضہ عمل قرار دے کر اس پر اجر و ثواب بھی عطا فرماتا ہے۔ (فصل الخطاب)

بقول شاعر: ؎

میں گنہگار، خطاکار، سیہ کار مگر
کس کو بخشے تری رحمت جو گنہگار نہ ہو

www.drhasanrizvi.org

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ (۱۳۷) سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ ۱۳۷

تم سے پہلے بہت سے طریقے اور نمونے گذر چکے ہیں۔ تو تم زمین پر چل پھر کر دیکھ لو کہ اُن (حق کو) جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا ؟ [۱]

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى (۱۳۸) وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ ۱۳۸

یہ بیان تمام انسانوں کے لیے نہایت ہی واضح تنبیہ ہے اور جو فرائضِ الٰہیہ کو ادا کرتے ہیں، اور جو خدا سے ڈر کر اُس کی ناراضگی اور بُرائیوں سے بچتے ہیں اُن کے لیے یہ ہدایت اور نصیحت ہے۔ [۲]

مقصدِ سیاحت عبرت حاصل کرنا ہے

[۱] افعال و نتائج پر غور کرنے کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ عقلی طور پر انسان کسی عمل کے اچھے اور بُرے ہونے پر غور کرے اور دوسرے یہ کہ جن کاموں کے بُرے نتائج نکل چکے ہیں انہیں دیکھے اور ان کاموں کی اچھائی اور بُرائی کے متعلق رائے قائم کرے۔ پہلا طریقہ عقلاء اور خواص کا ہوتا ہے اور دوسرا طریقہ عوام کا۔ یہاں دوسرے طریقے کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے۔ (فصل الخطاب)

[۲] آیت ۱۳۸ : خدا کا یہ فرمانا کہ "یہ قرآن ڈرنے والوں کیلئے ہدایت و نصیحت ہے" کا مطلب یہ ہے کہ قرآن اعلان نامہ تو ہے ساری دنیا کیلئے لیکن اس سے نفع وہی اٹھائیں گے جنکے دلوں میں خدا کا خوف ہوگا۔
(قرطبی بقول حسن، قتادہ، ابن جریج و ربیع در بحر و معالم)

www.drhasanrizvi.org

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ (۱۳۹) اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

اور کمزوری نہ دکھاؤ اور نہ غمگین ہو (کیونکہ) اگر تم مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔ ؎

فتح وکامرانی بالآخر مومنوں کو نصیب ہو گی

؎ عام طور پر مادّی فتح کو "فتح وکامرانی" سمجھا جاتا ہے۔ تو اِس آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم اطمینان رکھو، آخری فتح بہر حال تمھاری ہو گی بشرطیکہ تم ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتے رہو۔ (مجمع البیان)

کیونکہ "اُحد" میں مسلمانوں کو جسمانی اور ذہنی بڑا دھچکا پہنچا تھا، اس لیے اُن کو تسلّی دی جا رہی ہے۔ (تفسیر صافی)

آخری الفاظ سے یہ بتایا جا رہا ہے کہ جو شکست تم کو ہوئی ہے وہ تمھارے ایمان کی کمزوری کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اب اگر تم اپنا ایمان مضبوط کر لو گے تو پھر فتح تمھاری ہی ہو گی۔

دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر تم ایمان جیسی عظیم دولت اپنے پاس رکھتے ہو تو بہر حال تمھیں حقیقی معنی میں بلندی حاصل ہے چاہے وقتی طور پر کسی جنگ میں ظاہری شکست کھا چکے ہو، کیونکہ تم حق پر ہو اس لیے تم ہی بلند ہو۔ (تفسیر صافی)

www.drhasanrizvi.org

اِنۡ یَّمۡسَسۡكُمۡ قَرۡحٌ فَقَدۡ (۱۴۰) اگر تم کو کوئی چوٹ یا زخم پہنچ گیا ہے،
مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُهٗ‌ؕ وَ تو ایسا ہی زخم اُن لوگوں (مخالفوں) کو
تِلۡكَ الۡاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيۡنَ بھی پہنچ چکا ہے۔ اور یہ تو (دنیا کی
النَّاسِ‌ۚ وَلِيَـعۡلَمَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ تکلیف کے) چند دن ہیں جو ہم لوگوں
اٰمَنُوۡا وَيَتَّخِذَ مِنۡكُمۡ شُهَدَآءَ‌ؕ میں اُدلتے بدلتے رہتے ہیں، تاکہ اللہ
وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيۡنَ ۙ‏ جان لے (جانچ لے) کہ تم میں سچے

مومن کون ہیں؟ اور تاکہ اُن لوگوں کو چھانٹ لے جو شہید ہیں (مثالی کردار کے مالک ہیں) اور اللہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ مومنوں کی ہمت افزائی فرما رہا ہے

مطلب یہ ہے کہ جنگِ بدر میں چوٹ کھا کر کافر پست ہمت نہ ہوئے تو تم مسلمان ہو کر چوٹ کھا کر کیوں ہمت ہارتے ہو؟ غرض ان نقصانات سے مراد جنگِ بدر والے نقصانات ہیں اور جو جنگِ اُحد میں نقصانات ہوئے ہیں وہ بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ (بلاغی)

آیت کا مفہوم

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ یہ تو دنیا ہے۔ یہاں ہمیشہ ایک ہی صورت نہیں رہتی۔ کبھی کے دن بڑے ہوتے ہیں تو کبھی راتیں۔ اس لیے کسی کو کبھی یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ فتح ہمیشہ وہی پائے گا۔

(فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

اس آیت ۱۴۰ سے برآمد شدہ نتائج

محققین نے پہلا نتیجہ جو اس آیت ۱۴۰ سے نکالا وہ یہ ہے کہ "جو لوگ آج ثابت قدم نہ رہے تھے وہ سچے معنٰی میں ایمان کے جوہر سے آراستہ نہ تھے۔ جنگِ اُحد میں وفاداری اور ثابت قدمی دکھانے والے ہی مثالی افراد ہو سکتے ہیں۔ بقولِ شاعر :

اُحد میں کوئی پہاڑ پر ہے، نبیؐ کا سینہ سپر ہے کوئی
ہزار دعوے ہوں دوستی کے، جگر جگر ہے، دگر دگر ہے

"

دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ وہ لوگ جن کے قدم اُکھڑے مگر اُنھوں نے اپنی غلطی کو محسوس کر لیا اور اُن میں شرمندگی کا احساس پیدا ہوا، تو وہ نکھر گئے اور اُن کی خامیاں دور ہو گئیں۔ اور جو دل سے ایمان ہی نہ لائے تھے اور صرف نمائشی اسلام لٹکائے پھر رہے تھے، اُن کی پوری پوری قلعی کھل گئی۔

تیسرا نتیجہ یہ نکالا گیا کہ "مسلمانوں کو جب شکست ہوتی ہے تو اس کا مقصد مسلمانوں کو نکھارنا ہوتا ہے۔

اور کافروں کو شکست دینے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اُن کا زور توڑ دیا جائے اور اِس طرح رفتہ رفتہ قلع قمع کر دیا جائے۔

(تفسیر صافی، فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

(۱۴۱) وَ لِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۴۱
(یہ ہار جیت تو) اس لیے ہے کہ ایمانداروں کو نکھار کر صاف کردے اور کافروں کو رفتہ رفتہ نیست و نابود کرے۔

(۱۴۲) اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۴۲
کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم یونہی جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی تک اللہ نے (تم کو جانچ کر) یہ معلوم ہی نہیں کیا ہے کہ تم میں مجاہد (یعنی جان لڑا کر کوشش کرنے والے اور صبر کرنے والے کون ہیں۔ ط

اللہ لوگوں کو اُنکے اعمال سے جانچنا چاہتا ہے تاکہ انعام کا مستحق نکھر کر سامنے آجائے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا نے ارشاد فرمایا: "اللہ کو ہر چیز کے پیدا کرنے سے پہلے اُن سب کا حال معلوم تھا کہ کون کون جہاد کرے گا اور کون نہ کرے گا۔ جس طرح خدا اپنی مخلوق کو موت دینے سے پہلے یہ جانتا ہے کہ میں ان کو (کب اور کہاں) موت دوں گا، حالانکہ زندگی میں اُن کو موت نہیں دکھلاتا۔" (تفسیر صافی ص۹۴ بحوالہ تفسیر عیاشی)

محققین نے نتیجہ نکالا کہ صرف مسلمانوں کی فہرست میں داخل ہوجانا جنت میں جانے کی ضمانت نہیں بلکہ کردار سے ایسا ثبوت فراہم کرنا ضروری ہے جو جنت کے استحقاق کو ثابت کرسکے۔

اس کا ایک ثبوت میدانِ جہاد میں ثابت قدم ہونا ہے۔

www.drhasanrizvi.org

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ (۱۴۳)

اور تم موت کے سامنے آنے سے پہلے تو موت کی تمنا کر رہے تھے۔ تو اب وہ تمہارے سامنے آگئی اور تم نے اُسے (اپنی کھلی آنکھوں سے بھی) دیکھ لیا۔

ع ۱۴ ۵

شہدائے بدر کے مدارج سے آگاہ ہونے پر مومنوں نے شہادت کی تمنّا ظاہر کی

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب اللہ نے مومنوں کو شہدائے جنگِ بدر کے درجوں سے آگاہ فرمایا تو اُنھوں نے بھی یہ خواہش کی کہ "اے خدا! کوئی جنگ ہمیں بھی درپیش ہو جس میں ہم بھی شہید ہوں" اللہ نے اُنھیں جنگِ اُحد دکھائی جس میں وہ ثابت قدم نہ رہے، سوائے چند لوگوں کے۔ اس پر خدا نے فرمایا "یقیناً تم موت کے سامنے آنے سے پہلے موت کی تمنّا کیا کرتے تھے۔"

(تفسیر صافی صہ ۹۱ بحوالہ تفسیر قمی)

یہ آیت اُحد میں بھاگنے والوں پر زبردست طنز ہے کہ تم تو ہمیشہ بظاہر شہادت کی آرزو کیا کرتے تھے، مگر جب شہادت کا وقت آیا تو بھاگ کر پہاڑ پر چڑھنے لگے۔

(فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ (۱۴۴)
خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ
اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ
انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَ
مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ
فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى
اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝۱۴۴

اور محمدؐ تو بس خدا کے پیغمبر ہیں
جن سے پہلے تمام پیغمبرؑ گذر چکے ہیں۔
تو کیا اگر وہ مرجائیں یا قتل ہو جائیں
تو تم الٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے؟ (یاد
رکھنا کہ) جو کوئی بھی الٹے پاؤں (کفر کی
طرف) پلٹ جائے گا تو وہ خدا کو کوئی
نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اور اللہ عنقریب
شکر گذاروں کو (بہترین) جزا دے گا

اللہ کے سوا سب کو موت کا ذائقہ چکھنا پڑے گا

آیت کے الفاظ کہ: "محمدؐ صرف ایک رسولؐ ہیں" کا مطلب یہ ہے کہ وہ خدا نہیں ہیں کہ انھیں کبھی موت ہی نہ آئے۔ یہ تو عقلی دلیل ہے۔ اور واقعاتی دلیل یہ ہے کہ بہت سے پیغمبرؑ آئے اور دنیا سے جا چکے۔ اگر رسالت کی یہ خصوصیت ہوتی کہ اس کی وجہ سے موت نہ آئے گی تو پچھلے رسولؑ دنیا سے کیوں اٹھے؟ اس آیت کا جنگِ احد سے یہ تعلق ہے کہ شیطان نے یہ آواز میدانِ جنگ میں بلند کردی کہ "محمدؐ قتل ہو گئے" اس آواز پر مسلمانوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ اور لوگ یہ کہہ کر بھاگنے لگے کہ جب رسولؐ ہی نہ رہے تو ہم جنگ کر کے کیا کریں گے۔ مگر حضرت علیؑ نے اس وقت حملے اور تیز کر دیے اور فرمایا کہ

www.drhasanrizvi.org

جب رسولؐ ہی نہ رہے تو پھر ہمارے رہنے کا کیا فائدہ ؟"

اس آیت میں مسلمانوں سے یہ پوچھا گیا کہ "کیا اگر رسولؐ دنیا سے اُٹھ جائیں تو تم خدا کے دین سے پھر جاؤ گے ؟" رسولؐ کے بعد پیدا ہونے والے فتنے میں یہ آیت طالبِ حق کی رہنمائی کے لیے کافی ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ رسولؐ نے کیا فرمایا اور کیا چاہا۔ پھر اُن کو اپنا رہبر تسلیم کرے۔ یہ نہ ہو کہ رسولؐ کی وفات پر دین ہی سے پھر جائے۔"

حضرت امام محمد باقرؑ نے موت کے بارے میں فرمایا

حضرت امام محمد باقرؑ سے کسی نے کسی مقتول کے بارے میں پوچھا کہ "کیا وہ مر گیا ؟" فرمایا : "نہیں۔ کیونکہ موت موت ہے اور قتل قتل ہے۔"

کہا گیا "جو شخص قتل ہوا، وہ ضرور مرا ہے" امامؑ نے فرمایا : "اللہ کا قول تیرے قول سے زیادہ سچا ہے۔ اُس نے قرآن میں دونوں چیزوں کے درمیان فرق رکھا ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا : "اگر وہ مر جائے یا قتل کیا جائے" اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا : "اگر تم مرد یا قتل ہو، تو خدا کے سامنے ضرور جمع کئے جاؤ گے۔" اِس سے ثابت ہوا کہ موت اور چیز ہے اور قتل اور چیز ہے۔ جبکہ خدا فرماتا ہے کہ "كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ" یعنی ہر شخص کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ اِس لیے "جو قتل کیا گیا اُس نے موت کا ذائقہ نہیں چکھا وہ ضرور دنیا میں واپس آئے گا۔ یہاں تک کہ موت کا مزہ چکھے۔" (تفسیر صافی صفحہ ۹۴ بحوالہ تفسیر عیاشی)

شیطان کی غلط افواہ پر اکثر صحابہ کا حال

جب جنگِ اُحد میں نبیؐ کی شہادت کی جھوٹی خبر شیطان نے اُڑا دی تو اکثر صحابہ کی ہمتیں چھوٹ گئیں۔ منافقین نے کہنا شروع کر دیا کہ چلو

(باقی اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ (۱۴۵) اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ○ ۱۴۵

اور کوئی ذی روح اللہ کی اجازت کے بغیر نہیں مر سکتا۔ موت کا وقت تو مقررہ میعاد کی قید کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ اب جو شخص بھی دنیا میں اپنا صِلہ (بدلہ) چاہتا ہے تو ہم اُسے دُنیا ہی میں دے دیتے ہیں اور جو آخرت کا ثواب چاہتا ہے تو ہم اُسے اُسی میں سے دیتے ہیں۔ اور وہ وقت قریب ہے کہ جب ہم شکر ادا کرنے والوں کو اُن کا صلہ یا ثواب عطا کریں گے۔ ؎۱ (۱۴۵)

(بقیہ از صفحہ ۳۷۹) عبداللہ ابنِ اُبی کے پاس چلیں تاکہ وہ ابوسفیان سے ہمارے لیے پناہ لے لے۔ اور کچھ لوگوں نے تو یہاں تک کہدیا کہ محمدؐ اگر رسولؐ ہوتے تو قتل کیوں ہوتے۔ تو چلو اب ہم اپنے باپ دادا کے دین کی طرف لوٹ چلیں۔ (تفہیم القرآن - مولانا مودودی)

؎۱ **اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؑ کا شکریہ جنگِ اُحد کے موقع پر دو بار ادا کیا**

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ: "جنگِ اُحد میں حضرت علیؑ کو ساٹھ زخم آئے۔ جنابِ رسولِ خداؐ نے اُمّ سلیمؓ اور اُمّ عطیہؓ کو حکم دیا کہ وہ دونوں علیؑ کے زخموں کا علاج کریں۔ اُنھوں نے عرض کی کہ ہم ایک زخم کے علاج سے فارغ ہوتے ہیں کہ دوسرا زخم پھٹ جاتا ہے۔ ہمیں تو اُن کے بارے میں خوف لاحق ہے

www.drhasanrizvi.org

اِس پر حضرت رسولِ خداؐ خود تشریف لائے جبکہ مومنین حضرت علیؑ کے پاس عیادت کے لیے آجا رہے تھے۔ جنابِ رسولِ خداؐ نے دیکھا کہ کئی زخم مل کر ایک بڑا زخم بن گیا ہے۔ جنابِ رسولِ خداؐ نے اپنا دستِ شفا زخم پر پھیرنا شروع کیا، اور فرماتے جاتے تھے " جس نے خدا کے کام میں یہ مصیبت اُٹھائی وہی امتحان میں بہتر اور برتر نکلا۔ غرض جہاں جہاں رسولِ خداؐ اپنا دستِ شفا پھیرتے جاتے تھے وہیں سے زخم بھرتا جاتا تھا۔ اُس وقت حضرت علیؑ نے فرمایا: " اَلْحَمْدُ لِلّٰه ۔ میں نہ تو جہاد سے ہٹا اور نہ میں نے پُشت دکھائی۔" خدا نے قرآن میں دو موقعوں پر حضرت علیؑ کی ثابت قدمی کا شکر ادا کیا ہے۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا: " سَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ " اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا " سَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ " یعنی " عنقریب ہم شکر کرنے والوں کو بدلہ دیں گے "

(تفسیرِ صافی ص ۹۵ بحوالہ تفسیر مجمع البیان)

اِس آیت میں دو پیغام ہیں

پہلا پیغام تو یہ ہے کہ میدانِ جہاد سے کیوں بھاگا جاتا ہے؟ موت کے ڈر سے۔ اِس لیے خدا بتلا رہا ہے کہ موت کا تو ایک دن مقرر ہے اب اگر وہ دن آ ہی گیا تو دوڑ بھاگ کر بھی موت سے بچنا ممکن نہیں۔

دوسرا پیغام آیت کا یہ ہے کہ انسان دُنیا میں جو کچھ بھی کرتا ہے اُس کا صلہ اُس کو بہرحال ملتا ہے۔ اگر دنیا طلبی کے لیے سب کچھ کیا ہے تو دنیا ملے گی، جیسا کہ اُحد میں اکثر مسلمانوں کو مالِ غنیمت ملا۔ کیونکہ وہ اُسی کے طالب تھے۔ اب اُنھیں اجرِ آخرت سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ اور جنھوں نے آخرت کے ثواب کی تمنّا کی اُنھیں اجرِ آخرت ملے گا۔ (تفسیرِ صافی)

www.drhasanrizvi.org

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ (۱۴۶) رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ۱۴۶

اور بہت سے نبیؑ ہوئے ہیں کہ جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی تو انھیں اللہ کی راہ میں مصیبتیں بھی اٹھانی پڑیں، مگر وہ نہ تو سست ہی ہوتے اور نہ انھوں نے کوئی کمزوری دکھائی، اور نہ وہ باطل کے سامنے دبے، نہ عاجزی سے جھکے * اور اللہ ایسے صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ ؎ (۱۴۶)

انبیاءؑ کے اصحاب کے اوصافِ حمیدہ کا ذکر

؎ اِس آیت میں انبیاءؑ کے اصحاب کی صریحی وضاحت سے معلوم ہوا کہ انبیاءؑ کے صحیح معنی میں ساتھی اور صحابی وہ ہوتے ہیں جو میدانِ جنگ میں نہ تو سستی ہی کرتے ہیں اور نہ کمزوری دکھاتے ہیں۔ میدان چھوڑنے والے لوگ اگر جسمانی طور پر رسولِ خداؐ کے ساتھ ساتھ بھی دکھائی دیں تو بھی وہ حقیقت میں خدا کی نگاہ میں اللہ کے رسولؐ کے ساتھی نہیں۔ صرف جسمانی طور پر ساتھ ہو جانا معتبر نہیں ہوتا جب تک کہ صفات اور کردار میں بھی نبیؐ سے یکسانی حاصل نہ ہو۔

* یعنی باوجود خدا کی راہ میں ڈٹے رہنے کے وہ لوگ کبھی اپنے عمل پر ناز نہ کرتے تھے بلکہ ہمیشہ خدا کے سامنے اپنی معافی کی درخواست کرتے تھے۔ (تفسیرِ صافی)

www.drhasanrizvi.org

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ (۱۴۷) قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ۱۴۷

اور اُن کی دعاء تو بس یہ تھی کہ اے ہمارے پالنے والے! ہمارے گناہوں (اور غلطیوں) کو معاف کردے، اور ہم نے جو اپنے کام میں تیری حدوں سے تجاوز کیا ہے اُس کو بھی معاف کردے (حق پر) ہمارے قدم جمادے، اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما[ل] ——— (۱۴۷)

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا (۱۴۸) وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ۱۴۸ ع ۱۵

تو اللہ نے اُن کو دنیا کا بھی عوض دیا اور آخرت کا اچھا اجر بھی عطا فرمایا کیونکہ اللہ (ایسے) نیک کام کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ——— (۱۴۸)

آیت ۱۴۷ | اِس آیت میں دعاء، استغفار اور اللہ سے مدد کا ذکر کیا گیا ہے

[ل] یہ اندازِ عبودیت حُسنِ عمل میں چار چاند لگا دیا کرتا ہے جس کی معراج صحیفۂ سجادیہ میں امام زین العابدینؑ کی دعائیں ہیں، جہاں ایک کامل معصوم ہستی خدا کی بارگاہ میں تڑپ تڑپ کر اپنی معافی کی درخواست کر رہی ہے جن کو پڑھ کر ہم جیسے مجرموں کی روح میں بھی خوفِ الٰہی سے ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے۔ (فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ (۱۴۹)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم اُن لوگوں کی اطاعت کروگے جنھوں نے انکارِ حق کیا ہے تو وہ تم کو اُلٹا پھیر کر لے جائیں گے اور تم بڑا ہی نقصان اُٹھا کر واپس ہوگے [1]

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ۝ (۱۵۰)

بلکہ اللہ تمھارا مالک (سرپرست) ہے۔ اور وہ تو تمام مددگاروں میں سب سے بہتر ہے۔ (۱۵۰)

کافروں کی پیروی نہ کرو ورنہ بڑا نقصان اُٹھاؤ گے [1] (آیت ۱۴۹)

[1] حضرت علی علیہ السّلام سے روایت ہے کہ " اُحد کی شکست کے بعد منافقین، مسلمانوں سے کہتے تھے کہ بس اب اِس دین کو چھوڑ دو۔ اور مشرکوں کا دین اختیار کرلو۔ اب نجات کی صرف یہی صورت ہے۔" (مجمع البیان)

نفسیاتی اعتبار سے بزدل اور کمزور عقیدہ لوگ ایسے موقعوں پر ایسا ہی سوچا کرتے ہیں۔ (فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

سَنُلۡقِیۡ فِیۡ قُلُوۡبِ الَّذِیۡنَ (۱۵۱) كَفَرُوا الرُّعۡبَ بِمَاۤ اَشۡرَكُوۡا بِاللّٰهِ مَا لَمۡ یُنَزِّلۡ بِهٖ سُلۡطٰنًا ۚ وَمَاۡوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَبِئۡسَ مَثۡوَى الظّٰلِمِیۡنَ ۝۱۵۱

عنقریب ہم کافروں (منکروں) کے دلوں میں تمہارا رُعب ڈال دیں گے، اِس لیے کہ اُنھوں نے اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک سمجھ رکھا ہے جبکہ اُن کے بارے میں کوئی دلیل (یا سند) نہیں اُتاری گئی، اور اُن کا ٹھکانہ جہنّم ہے اور ظالموں کا ٹھکانہ کیسا بُرا ہے

کافروں پر اُحد میں مسلمانوں کے رُعب کا ذریعہ علیؑ تھے اور جبرئیلؑ کا کلمہ "لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ لَا سَیۡفَ اِلَّا ذُوالۡفِقَار" ہے

جنگِ اُحد میں مسلمان تو اپنی لالچ اور رسول کا کہنا نہ ماننے کے سبب سے شکست کھا ہی چکے تھے مگر پھر اللہ نے اُن کے دلوں میں رُعب ڈال دیا جس کے سبب وہ واپس جانے پر مجبور ہوگئے۔ مگر یاد رہے کہ خدا کے تمام کام عالمِ اسباب میں کسی نہ کسی سبب یا واسطے سے انجام پاتے ہیں۔ کافروں پر رُعب ڈالنے کا ذریعہ حضرت علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کی ذات کو بنایا جن کی تلوار کی تعریف جبرئیلؑ نے اسی جنگ میں اِس کلمے سے کی:

"لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ لَا سَیۡفَ اِلَّا ذُوالۡفِقَار"

(نہ تو علیؑ جیسا کوئی جوان ہے اور نہ ذوالفقار جیسی کوئی تلوار ہے۔)

(۔۔۔ تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۷ مطبوعہ مصر)

www.drhasanrizvi.org

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ (۱۵۲) | اور بلاشبہ اللہ نے اپنا وعدہٗ[۱]
إِذْ تَحُسُّونَهُم بِإِذْنِهِ ۖ حَتَّىٰٓ | (نصرت) سچ کر دکھایا جبھی تو تم خدا کے
إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى | حکم سے اُن کو قتل کر رہے تھے تا اینکہ
الْأَمْرِ وَعَصَيْتُم مِّنۢ بَعْدِ مَآ | جب تم نے خود کمزوری دکھائی اور خود
أَرَىٰكُم مَّا تُحِبُّونَ ۚ مِنكُم | آپس ہی میں اپنے کام میں جھگڑنے لگے[۲]
مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنكُم | اور جب (خدا نے) تم کو وہ کچھ دکھایا جو
مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۚ ثُمَّ | تم چاہتے تھے، تو تم نے نافرمانی کی۔ تم
صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۖ | میں سے کچھ تو دُنیا ہی کے طلب گار تھے[۳]
وَلَقَدْ عَفَا عَنكُمْ ۗ وَاللّٰهُ | اور کچھ آخرت کے طلب گار تھے (اسی لیے)[۴]
ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۝۱۵۲ | (خدا نے) تمھیں اُن کے مقابلے میں

شکست دے دی تاکہ تمھارا امتحان کرلے۔ اور اب یقیناً اُس نے تم کو معاف کر دیا، کیونکہ خدا مومنین پر بڑا فضل و کرم کرنے والا ہے۔ (۱۵۲)

جنگِ اُحد میں مسلمانوں کی فتح و شکست کے اسباب، بعدہٗ اللہ کا مومنوں پر فضل و کرم

[۱] مطلب یہ ہے کہ تم سے جو وعدۂ نصرت بشرطِ تقویٰ و صبر کیا گیا تھا اُسے پورا کیا گیا۔ یہاں تک کہ تمھارے تیر اندازوں نے ہمارے حکم کی مخالفت کی۔ اسی لیے مشرکین سامنے آگئے۔ تیر اندازوں نے انھیں چھیدنا شروع کیا اور

www.drhasanrizvi.org

دوسروں نے اُنھیں تلواروں سے مارا۔ یہاں تک کہ کافر شکست کھاکر بھاگ نکلے اور مسلمانوں نے اُن کا پیچھا کیا۔

۲ اور اُن تیراندازوں کے آپس میں جھگڑا کرنے سے مراد یہ ہے کہ جب اُنھوں نے مشرکوں کو بھاگتے دیکھا تو کچھ نے تو کہا کہ اب ہمارے یہاں ٹھہرنے کا کیا فائدہ ؟ مگر دوسروں نے کہا کہ ہم رسولِ خداؐ کے حکم کی مخالفت ہرگز نہ کریں گے۔ غرض اُن کا امیر تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ وہاں ٹھیرا رہا، لیکن زیادہ تر لوگ اُس گھاٹی سے نیچے آکر لوٹ کھسوٹ میں مصروف ہوگئے۔ (تفسیرِ صافی صہ ۹۲)

۳ اور "دنیا کی خواہش" سے مراد عبداللہ ابنِ جبیر کے وہ ساتھی مراد ہیں جو مالِ غنیمت کے پیچھے دوڑ پڑے تھے۔ (تفسیرِ صافی)

۴ اور "آخرت کی خواہش" سے مراد عبداللہ ابنِ جبیر کے وہ ساتھی ہیں جو حکمِ رسولؐ پر گھاٹی پر کھڑے رہے یہاں تک کہ قتل کردیے گئے۔ (تفسیرِ صافی صہ ۹۲ بحوالہ تفسیرِ قمی)

خدا کا یہ ارشاد فرمانا کہ " اللہ نے تو اپنا وعدہ اُس وقت ہی پورا کردیا تھا جب تم (جنگِ اُحد میں) اُن کا قلع قمع کر رہے تھے"۔ اِس سے مراد اُحد کی جنگ میں شروع کی فتح ہے۔ (تفسیرِ صافی)

اور یہ فتح مادّی اسباب کے خلاف تھی کیونکہ کفّار کی تعداد مسلمانوں سے چارگنا زیادہ تھی اسی لیے آیت میں کہا گیا کہ "تم خدا کے حکم سے ان کا تیا پانچا کر رہے تھے" تو وہ فتح خدا کے فضل و کرم کا نتیجہ تھی۔ اب اُس کے بعد جو فتح شکست میں بدل گئی اس کی وجہ تمہاری حرص اور رسولِ خداؐ کے حکم کی خلاف ورزی تھی

(فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓی (۱۵۳) وہ وقت یاد کرو کہ جب تم (پہاڑ پر)

اَحَدٍ وَّ الرَّسُوْلُ یَدْعُوْكُمْ بے تحاشا چڑھے ہی چلے جارہے تھے

فِیْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّا اور کسی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے

بِغَمٍّ لِّكَیْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰی اور پیغمبرؐ تمہارے پیچھے سے تم کو آواز

مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ؕ دے رہے تھے۔ غرض (خدا نے) تمھیں

وَاللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ۱۵۳ رنج پر رنج دیئے[1] تاکہ (تم یہ جان لو کہ)

(۱) جو کچھ بھی تمھارے ہاتھ سے نکل جائے یا (۲) جو مصیبت بھی تم پر نازل ہو، اُس پر تم غمگین نہ ہوا کرو (۳) اور (یہ سبق بھی سیکھ لو کہ) اللہ تمہارے سب کاموں کو خوب جانتا ہے[2]

پیغمبرِ خدا کا کہنا نہ ماننا اور جنگ سے گریز کرنے پر مصائب، اور رنج پر رنج دیئے گئے

[1] حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ پہلا غم تو یہ تھا کہ مسلمانوں کو شکست ہوئی اور اُن میں سے کچھ قتل بھی ہوئے اور دوسرا غم یہ تھا کہ خالد بن ولید نے ہزاروں سواروں کے ذریعے سے مسلمانوں کو پیچھے سے گھیر لیا۔ (تفسیر صافی ص۹۶ بحوالہ تفسیر قمی)

[2] آیت کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو جب کوئی نقصان بغیر کسی غلطی کے از خود پہنچا ہے تب تو اُسے پتہ ہونا چاہیے کہ آخر ہم اس مصیبت میں کیوں گرفتار ہوئے؟ کیونکہ جب نقصان خود اپنی ہی حماقت سے اور غلطیوں کی وجہ سے ہو تو پھر صدمے کے بجائے اپنے کردار پر پشیمانی اور شرمندگی ہونی چاہیے اور اپنے اندر صبر کی عادت پیدا کرنے کی کوشش ہونی چاہیے تاکہ آئندہ ایسی غلطی نہ کرے۔ (فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ (۱۵۴)	پھر اس غم کے بعد (خدا نے) تم میں
الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى	سے کچھ لوگوں پر ایسے سکون و اطمینان کی
طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَ طَآئِفَةٌ	حالت طاری کردی کہ وہ اُونگھنے لگے۔ مگر
قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ	ایک دوسرے گروہ کو جنھیں اپنی جان جانے
يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ	کی فکر کھائے جارہی تھی، وہ اللہ کے
ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ	متعلق طرح طرح کی جاہلانہ بدگمانی کرنے
هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ	لگے۔ اب وہ کہتے ہیں کہ کیا ہمیں بھی کچھ
قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ	اختیار حاصل ہے؟ کہہ دیجیے کہ پورا پورا
يُخْفُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا	اختیار صرف اللہ کو ہے۔ یہ لوگ اپنے
يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ	دلوں میں ایسی باتیں چھپائے ہوئے
كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا	ہیں جنھیں آپؐ کے سامنے ظاہر نہیں
قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ	کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہمارے پاس
فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ	بھی کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ
كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى	ہوتے۔ کہہ دیجیے کہ اگر تم اپنے گھروں میں
مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ	بھی ہوتے تب بھی، جن لوگوں کے لیے
اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَ	قتل ہونا ہی لکھا جاچکا تھا، وہ تو اپنی
لِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ	قتل گاہوں کی طرف نکل جاتے، تاکہ خدا جو کچھ

www.drhasanrizvi.org

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ تمہارے سینوں میں ہے اُسے آزمائے اور جو کچھ کھوٹ تمہارے دلوں میں ہے اُسے چھانٹ دے ۲۔ (کیونکہ) اللہ دلوں کا حال خوب جانتا ہے ۔ (۱۵۴)

مکمل اختیار صرف خدا کو حاصل ہے ، جنگِ اُحد کے بعد مسلمانوں کے احوال

۱ اُن کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اگر ہم مدینے کے اندر ہی رہتے اور باہر نہ نکلتے جیسا کہ اُبی ابن کعب نے رائے دی تھی تو ہم نہ تو ہارتے اور نہ ہمارے آدمی قتل ہوتے ۔ (تفسیر صافی ص ۹۶)

اللہ نے اِس کا جواب یہ دیا کہ یاد رکھنا چاہیے کہ جب اللہ کسی کی موت مقدر کر دیا کرتا ہے تو اُن کے مدینے میں ٹھہرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوتا کیونکہ اللہ کے فیصلے کو رد کرنا ممکن نہیں۔ (تفسیر صافی ص ۹۶)

۲ خدا کا مقصد یہ تھا کہ وہ تمہارے دلوں کا امتحان لے اور تمہارے دلوں کے بھیدوں کو ظاہر کر دے اور تم میں جو اخلاص یا نفاق ہے اُسے کھول کر رکھ دے ۔ (تفسیر صافی ص ۹۶)

اصل میں میدان سے بھاگنے والے دو قسم کے تھے ۔ کچھ تو ایسے تھے کہ ایک دفعہ بھاگے اور پھر واپس آگئے ۔ اب احساسِ ندامت کی وجہ سے ایسے ڈٹ گئے کہ انھیں کوئی خطرہ خطرہ ہی نہ معلوم ہوتا تھا ۔ گویا وہ نیند کے عالم میں ہیں ۔ اب جو بھاگ کر واپس نہ آئے اُن کا یہاں ذکر نہیں ۔ (بلاغ)

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ یہ آیت عین جنگ کے موقعے کا حال نہیں بیان کر رہی ہے بلکہ جنگ کے خاتمے کے بعد جب شہر مدینہ کی طرف واپسی ہوئی تو کیونکہ مشرکوں نے بھاگتے بھاگتے یہ

(باقی اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

دھمکی بھی دی تھی کہ ہم پھر واپس آئیں گے۔ تو جو سچّے مسلمان تھے اُن کو تو کوئی پرواہ نہ تھی، اِس لیے کہ اُنھیں خدا کی طرف سے ایسا اطمینان حاصل ہوا کہ وہ چین کی نیند سو رہے تھے۔ اب جو کمزور دل اور کمزور ایمان والے مسلمان تھے، اُنھیں اپنی جان کی فکر لگی ہوئی تھی۔ اب انھیں نیند کہاں سے آتی، وہ طرح طرح کی باتیں بناتے پھر رہے تھے۔

(مجمع البیان)

وہ یہ بات بک رہے تھے کہ "ہر بات میں بس اللہ اور رسولؐ اپنا حکم چلاتے رہتے ہیں۔ ہمیں تو اپنی رائے سے کام لینے کا موقع دیا ہی نہیں جاتا۔ اگر ہماری بات مانی جاتی تو یہ بُرا دن دیکھنا نہ پڑتا۔" (تفسیر صافی)

معلوم ہوتا ہے کہ خدا و رسولؐ کے مقابلے میں حقِ خود ارادی کا مطالبہ ایک جماعت کی طرف سے بہت پہلے سے تھا۔

مسلمانوں کا یہ کہنا کہ "کیا ہمیں بھی آپؐ کے کاموں میں کچھ اختیار ہے؟" اور خدا کا جواب میں ارشاد فرمانا: "کہہ دیجیے کہ پورا پورا اختیار صرف اللہ کو ہے" اِس سے واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ خدا و رسولؐ کے کاموں میں مسلمانوں کا اختیارات کے حاصل کرنے کا مطالبہ خدا اور رسولؐ کو قبول ہی نہیں۔ یہی مطالبہ رسولِ خداؐ کے بعد اجماع اور شورٰی کی شکل میں ظاہر ہوا۔

(فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

اِنَّ الَّذِيۡنَ تَوَلَّوۡا مِنۡكُمۡ يَوۡمَ الۡتَقَى الۡجَمۡعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسۡتَزَلَّهُمُ الشَّيۡطٰنُ بِبَعۡضِ مَا كَسَبُوۡا ۚ وَلَقَدۡ عَفَا اللّٰهُ عَنۡهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ ۟ (۱۵۵)

(۱۵۵) بلاشبہ تم میں سے جو لوگ دونوں جماعتوں کے مقابلے کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے، اُن کو حقیقتاً شیطان نے اُن کی بداعمالیوں کے سبب سے[1] اِس غلطی میں مبتلا کیا۔ اور خدا نے (پھر بھی)، اُنھیں معاف کردیا ہے۔ بلاشبہ اللہ بہت ہی معاف کرنے والا، بڑا ہی برداشت کرنے والا ہے ——————— (۱۵۵)

ہماری بداعمالیوں کے سبب سے شیطان ہم سے گناہ کرواتا ہے، آیت کے نتائج اور مثالیں

[1] اِس آیت سے معلوم ہوا کہ گناہوں اور غلطیوں میں مبتلا ہونے کا سبب خود ہماری اپنی فکر و عمل کی غلطیاں ہی ہوا کرتی ہیں۔ خود ہماری بدنیتی، لالچ، ایمان کی کمزوری، عیش پسندی ہی کو شیطان استعمال کرکے ہمیں گناہوں میں دھکیل دیتا ہے۔ اِس لیے ہم کو اپنے گناہوں کی نسبت اور اُن کی ذمّے داری خود اپنے آپ قبول کرنی چاہیے۔ یہ ذمّے داری خدا پر ڈال دینا تو ایک مزید گناہ، بلکہ خدا پر ناقابلِ تلافی و معافی جسارت کرنے کے مترادف ہے، جیسا کہ اِس آیت میں بتایا گیا کہ گناہ شیطان کرواتا ہے۔ مگر اُس کو ہم پر غلبہ خود ہماری ہی بداعمالیوں کے سبب سے حاصل ہوتا ہے، اِس لیے ہر گناہ کے ہم خود ہی ذمّے دار ہیں۔

www.drhasanrizvi.org

ہماری قوّتِ ارادی کی کمی سے شیطان کا غلبہ ہوتا ہے

شیطان جو انسان کو بہکانے میں کامیاب ہو جاتا ہے وہ اصل میں انسان کی اپنی قوّتِ ارادی کی کمی کی وجہ سے ممکن ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے پھر وہ بڑے بڑے گناہ کرنے لگتا ہے۔ اگر وہ پہلے ہی دن شیطانی تحریک کے مقابلے پر مضبوطی سے جم جائے تو پھر مقابلے کی قوّت، طاقت حاصل کر لیتی ہے۔ پھر وہ شیطان کی قوی محرّکات سے بھی متاثر نہیں ہوتا۔ (بلاغی)

اس لیے کسی گناہگار کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے گناہ کا ذمّے دار شیطان کو قرار دے۔ مثلاً جنگِ اُحد ہی کو دیکھیے کہ مسلمانوں نے شروع ہی میں اپنے سے چار گُنے طاقتور مشرکوں کو شکست دے دی، مگر غلطی یہ کی کہ فوراً مالِ غنیمت پہ ہلّہ بول دیا اور دشمن کی نقل و حرکت سے بے پرواہ ہو گئے۔ دوسری[۲] غلطی یہ کی کہ جو لوگ دَرّے پر معیّن کیے گئے تھے اور اُن سے رسولِ خداؐ نے خاص طور پر فرما دیا تھا کہ کسی بھی وجہ سے اس جگہ سے نہ ہٹنا، وہ مال لُٹتا دیکھ کر صبر نہ کر سکے اور نیچے آ کر لوٹ مار میں اپنا حصّہ بنانے لگے۔ پھر تیسری[۳] غلطی یہ کی کہ جب کفّار نے حملہ کیا تو بجائے ڈٹ کر مقابلہ کرنے کے جہاد سے فرار اختیار فرمایا۔ اس طرح جرمِ عظیم میں مبتلا ہوئے۔ یہ سب کچھ اُن کی اپنی بداعمالیوں کا نتیجہ تھا۔ (تفسیر صافی)

محقّقین نے نتائج نکالے کہ (۱) ہر پچھلا گناہ نئے گناہ کا سبب بنا کرتا ہے۔ یہاں مراد حُبِّ دنیا، زندگی کی محبّت اور مالِ غنیمت کی ہوس ہے۔ (بحر۔ روح المعانی) دوسرا[۲] نتیجہ یہ نکالا کہ جو گناہ بھی سرزد ہو اُس کی نسبت خدا کی طرف نہ دینی چاہیے۔ بلکہ اپنی یا شیطان کی طرف دینی چاہیے۔ مثلاً حضرت یوسفؑ نے فرمایا تھا: "اسکے بعد کہ جب شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان دشمنی ڈال دی۔" یا حضرت موسیٰؑ کے خادم نے کہا: "اس بات کو مجھے شیطان نے بھلا دیا۔" (قرآن) (تفسیر کبیر۔ مدارک)

www.drhasanrizvi.org

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ ١٥٦

(۱۵۶) اے ایمان والو! کافروں جیسے نہ ہو جاؤ، اور جن کے بھائی بندوں نے جب زمین میں سفر کیا یا جنگ پر گئے تو وہ کہنے لگے کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے[1]۔ اللہ ایسی باتوں کو اُن کے دلوں میں رنج اور حسرت کا سبب بنا دیتا ہے[2]۔ ورنہ دراصل خدا ہی زندہ رکھتا ہے اور وہی موت دیتا ہے اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو خدا اُس کو خوب دیکھتا ہے ـــــــ (۱۵۶)

موت بہر حال آکر رہے گی سفر یا حضر کی قید نہیں ہے

[1] یہ اُن کے بیان کی رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس گھروں میں رہتے تو نہ مرتے۔ گویا موت گھر میں نہیں آسکتی، صرف سفر میں آسکتی ہے۔ یہ تو اللہ کی مرضی پر موقوف ہے کہ وہ اگر چاہے تو مسافروں کو زندہ رکھے اور گھروں میں رہنے والوں پر موت وارد کر دے۔ (تفسیر صافی ص ۹۶)

[2] مطلب یہ ہے کہ اس قسم کے خیالات کا دماغ میں آنا اور زبان پر لانا نتیجہ ہے نورِ ایمان سے محرومی کا جب دل میں خدا پر یقین نہیں ہوتا اس لیے امر تکوینی اور تقدیری سے اُنکے دلوں میں حسرت اور کڑھن کا اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے۔ (قرطبی)

www.drhasanrizvi.org

وَلَئِنۡ قُتِلۡتُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ (۱۵۷) اَوۡ مُتُّمۡ لَمَغۡفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَحۡمَۃٌ خَیۡرٌ مِّمَّا یَجۡمَعُوۡنَ ○	اور اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاتے یا مرجاتے تو اللہ کی طرف کی بخشش اور رحمت تمھارے لیے اُس سے کہیں بہتر ہوتی جو وہ جمع کرتے ہیں۔

"سَبِیۡلِ اللّٰہِ" سے مراد حضرت علیؑ اور گیارہ ائمہؑ ہیں

(الحدیث)

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ "اس آیت میں "سَبِیۡلِ اللّٰہِ" یعنی اللہ کے راستے سے مراد حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کے گیارہ ائمہؑ ہیں۔ جو شخص ان کی امامت پر عقیدہ رکھتے ہوئے قتل ہوجائے گا وہ "مقتول فی سبیل اللہ" یعنی اللہ کے راستے میں قتل ہوگا" اور جو آپؑ کی ولایت پر عقیدہ رکھتے ہوئے بستر پر بھی مرے گا وہ بھی "فی سبیل اللہ" مرتا ہے۔ یعنی اللہ کے راستے میں مرتا ہے۔ (تفسیر صافی صہ ۹۶ بحوالہ تفسیر عیاشی)

اگرچہ حقیقتاً دنیا کی دولت آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی، مگر کیونکہ دنیا والے دنیا کی دولت کو بہت بڑی چیز سمجھتے ہیں، اِس لیے آخرت کی نعمتوں کا دنیا کی دولت سے تقابل کیا گیا ہے تاکہ دنیادار لوگ سمجھ سکیں کہ جس چیز کو تم بڑا سمجھتے ہو، آخرت کی نعمتیں اس سے کہیں بہتر ہیں (مجمع البیان)

ایک مغربی مفکر ڈینی سن نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ: "مسلمانوں کے اِس تقدیر کے عقیدے، یعنی ہر امرِ تکوینی کو خدا کو سپرد کردینے کی عادت نے اور عقیدۂ شہادت نے (کہ شہید شہید ہوتے ہی جنت میں داخل ہوجاتے ہیں) مسلمانوں میں معرکۂ جنگ کے اندر بڑی ہی قوت اور استقامت پیدا کردی ہے۔"

(Emotion a basis of Civilisation Page 206)

www.drhasanrizvi.org

وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ (۱۵۸) لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ ۱۵۸

اور (کیونکہ) تم (اپنی موت) مرو یا مارے جاؤ (بہر حال) بلاشبہ تم کو تو خدا ہی کی طرف سمٹ کر جانا ہے۔ [1]

موت کے بارے میں امیر المومنینؑ کا ارشاد

[1] امیر المومنین حضرت علیؑ نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے کہ: "جب مرنا ضروری ہے اور جان بہر حال دینا ہی ہے تو کیوں نہ یہ جان اللہ کی راہ میں دی جائے۔" تاکہ اجرِ عظیم حاصل ہو۔ نیز خداوند عالم کا یہ ارشاد فرمانا کہ "اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاتے یا اپنی موت مرتے" بتاتا ہے کہ جن لوگوں کو خدا کی راہ میں میدانِ جنگ میں نکل کر جہاد کرنے اور قتل ہونے کا موقع ہی نہ مل سکا لیکن وہ زندگی بھر خدا کی رضا مندی کے حصول کی راہ پر چلتے رہے، تو اگر وہ بستر پر بھی مر جائیں گے تو بھی وہ اپنے شوقِ شہادت اور اطاعتِ خدا و رسولؐ کے سبب خدا کی رحمت اور مغفرت کے مستحق ہوں گے۔ اسی لیے حضورِ اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

"جو شخص بھی آلِ محمدؐ کی محبت پر مرے گا وہ شہید ہوگا۔" (تفسیر کبیر۔ امام رازی)

کیونکہ آلِ محمدؐ کی حقیقی محبت ہی شوقِ شہادت اور خدا کی رضا مندی کے لیے مسلسل جدوجہد کا جذبہ بیدار رکھتی ہے۔ بقول اقبال

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

www.drhasanrizvi.org

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ (۱۵۹) یہ تو اللہ کی بڑی ہی مہربانی ہے
لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ کہ آپؐ اُن لوگوں کے لیے اتنے نرم
الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ (مزاج) ہیں۔ اگر کہیں آپؐ سخت طبیعت
فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ اور تلخ یا بد مزاج ہوتے، تو یہ سب
وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا جو آپؐ کے چاروں طرف ہیں، آپؐ کو
عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ إِنَّ چھوڑ کر چلے جاتے۔[ل] تو انھیں معاف
اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ۝۱۵۹ کردیا کیجیے اور ان کے لیے دعائے مغفرت
کیا کیجیے اور اپنے کاموں میں اِن سے مشورہ بھی لے لیا کیجیے۔[۲] پھر جب پکّا ارادہ کرلیا کیجیے تو پھر اللہ ہی پر بھروسہ کیا کیجیے۔ بیشک اللہ بھروسہ کرنے والوں سے محبّت کرتا ہے۔

سرکارِ دو عالمؐ کی نرم مزاجی کی تعریف

[ل] جنابِ رسولِ خداؐ نے اس حکم کے آنے پر نافرمان سپاہیوں کے ساتھ عین معرکۂ جنگ میں شفقت اور نرمی کا معاملہ فرمایا۔ یہ دنیا کی تاریخ میں شاید اپنی نظیر آپ ہے
آیت میں "فبما" کے لفظ میں لفظِ "ما" زیادہ تاکید کے لیے ہے۔ (بیضاوی، روح المعانی، قرطبی، کشّاف)

لین پول نے لکھا "ظلم محمدؐ کی شریعت ہی میں نہ تھا۔"

باسورتھ اسمتھ نے لکھا "محمدؐ نے عمر بھر کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، اگر کوئی اُن سے مصافحہ کرتا تھا تو اپنا ہاتھ کھینچنے میں پہل نہ کرتے تھے اور نہ از خود اُس سے الگ ہوتے تھے۔ بات چیت

(باقی اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

(بقیہ از صفحہ ۳۹۷)
بہت نرم اور میٹھے لہجے میں کرتے تھے۔" (باسورتھ اسمتھ)

ہسٹری آف دی ورلڈ نے لکھا "پیغمبرِ اسلام کا میلانِ طبع ہمیشہ نرمی ہی کی جانب رہتا تھا۔" (ہسٹری آف دی ورلڈ)

یاد رہے کہ نرمی کی بھی شریعت میں حدود معیّن ہیں۔ جہاں احکامِ خدا کا اجراء ضروری ہوتا ہے وہاں سختی اور سزا لازمی ہو جاتی ہے۔ (تفسیرِ کبیر)

امام رازی نے لکھا " جہاد میں بھاگنے سے بڑھ کر گناہِ کبیرہ اور کیا ہوگا لیکن قرآن مجید نے اصحابِ نبیؐ کے عفو و مغفرت کی بار بار تصریح کر کے یہ صاف کر دیا کہ اُن حضرات کے کبائر (یعنی بڑے بڑے گناہ) بھی معاف ہو گئے تھے۔" (تفسیرِ کبیر)

مشورے کی اہمیّت اور اللہ پر بھروسہ کرنے کی قدر و منزلت

۲ جنابِ رسولِ خداؐ کو مشورہ لینے کا حکم اِس لیے دیا گیا تاکہ (۱) اُنھیں مسلمانوں کے خیالات معلوم ہو جائیں (۲) مسلمانوں کے دل خوش ہو جائیں (۳) اُمّت میں ایکدوسرے سے مشورہ کر کے کام کرنے کا طریقہ جاری ہو۔ (۴) لوگوں میں ایکدوسرے سے وابستگی کا احساس جاگے۔ (۵) مختلف رائیں معلوم ہوں۔ (۶) لوگوں میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں بیدار ہوں۔ (۷) تنہائی کا احساس نہ باقی رہے اور خود بینی کی ناک کٹ جائے۔

جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا: "کوئی تنہائی خود بینی سے زیادہ وحشتناک نہیں اور باہمی مشورے سے زیادہ کوئی چیز طاقتور نہیں۔"

(باقی اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

(بقیہ از صفحہ ۳۹۸) امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: "جو شخص اپنی تنہا رائے پر قائم رہیگا وہ ہلاک ہوگا۔ اور جو لوگوں سے مشورہ کرے گا، وہ اُن کی عقلوں سے حصّہ لے گا۔ لوگوں سے مشورہ کر لینے میں رہبری ہوتی ہے۔ اور اپنی تنہا رائے پر بھروسہ کر لینے میں خطرہ ہی خطرہ ہے۔"
(تفسیر صافی ص ۹۶)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ "اپنے معاملات میں اُن لوگوں سے مشورہ کیا کرو جو خدا سے ڈرتے ہیں۔" (کتاب الخصال)

لیکن اِس آیت سے یہ بات ثابت کرنا بالکل غلط ہے کہ جمہوریت اور شوریٰ نظامِ اُمّت کے اُصول میں داخل ہے۔ ذرا اِس سیاق و سباق کو ہی دیکھئے جس کے ذیل میں یہ بات کہی گئی۔ آیت کا مطلب بالکل واضح طور پر یہ ہے کہ اُن میدان سے بھاگنے والوں کا جُرم تو اتنا سخت تھا کہ کوئی دوسرا اِن کے ساتھ کبھی نرمی نہ کرتا، مگر اے رسولؐ! یہ آپؐ کا غیر معمولی رحم و کرم ہے اور اللہ کی طرف سے دی ہوئی قوّتِ برداشت ہے کہ آپؐ اُن کی بے وفائی کے باوجود اُن پر نرمی فرماتے ہیں۔ حالانکہ یہ آپؐ کو دشمنوں میں اکیلا چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ پھر بھی آپؐ (۱) انھیں معاف فرما دیں اور (۲) ہم سے بھی اِن کے لیے معافی طلب فرمائیں (۳) اور اِن کی دلجوئی کی خاطر اِن سے مشورہ بھی کر لیں تاکہ آئندہ یہ لوگ یہ نہ کہیں کہ اگر ہماری بات سُن لی ہوتی تو شکست نہ ہوتی۔ (ملخص از مجمع البیان و فصل الخطاب)

یعنی جس غلطی کا آپؐ سے تعلق ہے اُسے آپؐ معاف فرما دیں اور اِن کی جس غلطی کا تعلق خدا سے ہے اُس کیلئے آپؐ خدا سے معافی کی سفارش فرمائیں اور اتمام حجّت کیلئے اِن سے مشورہ بھی کر لیا کریں
(ملخص از تفسیر صافی، البلاغ، فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

اِنۡ یَّنۡصُرۡكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ (۱۶۰) لَكُمۡ ۚ وَاِنۡ یَّخۡذُلۡكُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَنۡصُرُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡیَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ○	(کیونکہ) اگر اللہ تمھاری مدد کرے تو کوئی بھی تم پر غالب آنے والا نہیں۔ اور اگر وہ تمھیں چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اُس کے بعد تمھاری مدد کرسکتا ہو؟ پس جو سچّے مومن ہیں اُنھیں خدا ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔
وَمَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنۡ یَّغُلَّ ؕ (۱۶۱) وَمَنۡ یَّغۡلُلۡ یَاۡتِ بِمَا غَلَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفۡسٍ مَّا كَسَبَتۡ وَهُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ○	اور کسی نبیؐ سے یہ (ممکن) نہیں ہوسکتا کہ وہ (مالِ غنیمت وغیرہ میں) خیانت کرے۔[1] اور جو کوئی بھی خیانت کرے گا اُسے وہی چیز لیکر قیامت کے دن آنا پڑے گا۔ پھر ہر ایک کو اُس کی کمائی (عمل) کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور کسی پر بھی کچھ ظلم نہ ہوگا۔ (۱۶۱)

غزوۂ بدر کے مالِ غنیمت میں نبیؐ اکرمؐ پر خیانت کا الزام

[1] یہ بالکل ہی غلط خیال ہے کہ نبیؐ مالِ غنیمت میں خیانت کرسکتا ہے۔ کیونکہ خیانت امرِ نبوّت کے منافی ہے اور یہاں خیانت سے مراد مالِ غنیمت میں سے کسی چیز کا خفیہ طور پر اُڑا لینا ہے۔ (تفسیر صافی ص ۹۷)

(باقی اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

(پچھلے صفحے ۱۰۰ کا بقیہ) یہ آیت غزوہ بدر کے (۱۶۱) متعلق نازل ہوئی۔ بات یہ ہوئی کہ جو مالِ غنیمت بدر کے دن آیا اُس میں ایک سرخ رنگ کا گلوبند بھی تھا۔ اصحاب نے کہا کہ وہ گلوبند نظر نہیں آرہا ہے۔ کسی نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ اُس کو رسولِ خداؐ کے سوا کوئی اور نہیں لے سکتا۔ اس پر یہ آیت اُتری۔ چنانچہ اُسی وقت ایک شخص نے آکر بتایا کہ فلاں شخص وہ گلوبند لے اُڑا ہے اور اُس نے اُسے فلاں جگہ زمین میں دبا دیا ہے۔ جنابِ رسولِ خداؐ نے اُس جگہ کو کھودنے کا حکم دیا تو وہ گلوبند نکل آیا۔ (تفسیرِ قمی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "نہ تو سب لوگوں کو راضی کیا جا سکتا ہے اور نہ اُن کی زبانیں بند کی جا سکتی ہیں۔ کیا لوگوں نے بدر کے دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر یہ الزام نہیں لگایا تھا کہ آپؐ نے مالِ غنیمت میں سے سرخ رنگ کا گلوبند اپنے لیے (معاذ اللہ) اُڑا لیا ہے۔ یہاں تک کہ خدا نے وہ گلوبند ظاہر کر دیا۔ اور اپنے نبیؐ کو خیانت سے بری ثابت کر دیا اور قرآن میں یہ آیت نازل فرمائی۔" اور پھر امام نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ (المجالس)

فقہاء نے نتیجہ نکالا کہ:

فقہاء نے نتیجہ نکالا کہ دھوکہ دینا اور خیانت کرنا گناہِ کبیرہ ہے۔ (قرطبی، جصاص)

کیونکہ یہ شانِ نبوت کے خلاف ہے، اور انبیاء سب معصوم ہیں، اُن سے ایسا ممکن نہیں، نہ وحی میں نہ غیرِ وحی میں۔ اور جو کوئی شخص کچھ چھپا رکھے اُس کا حکم اسی آیت میں آگے بیان فرمایا جاتا ہے۔ (قرآنِ عظیم، مترجم از مولنا شاہ محمد احمد رضا خاں صاحب بریلوی) (صفحہ ۱۱۴)

www.drhasanrizvi.org

أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَنْ (۱۶۲) بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوٰهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝١٦٢

تو کیا جو ہمیشہ خدا کی رضامندی پر چلنے والا ہو، اُس جیسا ہو سکتا ہے جو اللہ کے غیظ و غضب میں گھر گیا ہو اور جس کا آخری ٹھکانا جہنّم ہو جو بدترین ٹھکانا ہے۔ ——— (۱۶۲)

هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ (۱۶۳) بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ۝١٦٣

اللہ کے ہاں اُن کے درجے ہیں اور وہ جو کچھ کرتے ہیں خدا اُس کو دیکھنے والا (باریک بیں) ہے۔ (۱۶۳)

مکمّل طور پر خدا کی خوشنودی و رضامندی کے طلبگار ائمہ معصومین علیہم السّلام ہیں

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ: "مکمّل طور پر خدا کی رضامندی کے طلبگار ائمہ معصومینؑ ہیں۔ اِس لیے وہی اعلیٰ ترین درجے کے لوگ ہیں۔ (بلاغی)

آیت ۱۶۳: "محققین نے نتیجہ نکالا کہ مفضول کو افضل پر فضیلت نہیں دی جا سکتی۔"

"ہر ایک کی منزلت اور اُس کا مقام جُدا، نیک کا الگ، بد کا الگ۔"

(قرآنِ عظیم ترجمہ از اعلیٰ حضرت مولانا شاہ محمد احمد رضا خاں صاحب بریلوی)

www.drhasanrizvi.org

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (۱۶۴) حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ نے
اِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اہلِ ایمان پر بڑا ہی احسان کیا
اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ ہے کہ اُس نے اُن ہی میں سے ایک
اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ پیغمبرؐ کو اُن میں بھیجا جو اُس کی
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ آیتوں کو اُنھیں سُناتا ہے اور اُنکی
اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ زندگیوں کو بناتا سنوارتا ہے اور اُنکو
ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ کتاب اور دانائی کی گہری باتوں
کی تعلیم دیتا ہے۔ حالانکہ اِس سے پہلے یہ لوگ کُھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے (۱۶۴)

اللہ کا رسولؐ کو بھیجنا بھی احسانِ عظیم ہے

۱ اِس آیت میں مومنین کا نام اس لیے لیا گیا کہ اِس احسان کا اثر مومنین پر ہی ظاہر ہوا ہے، ورنہ یوں تو رسولؐ کی بعثت سے سب کو فائدہ پہنچا ہے۔ مگر کیونکہ دوسروں کو اِس احسان کا احساس ہی نہیں ہے اِس لیے پھر اُن کا ذکر بھی کیوں کیا جائے۔ (مجمع البیان)

مگر علم کلام کے ماہرین تو یہ کہتے ہیں کہ انبیاءؑ کا بھیجنا خدا پر واجب ہے تو پھر احسان کس بات کا ہوا؟ لیکن یہ سوال اِس لیے پیدا ہوا کہ آپ نے لفظِ واجب پر غور نہیں فرمایا۔ خدا پر واجب ہونے کے معنٰی یہ تھوڑی ہیں کہ کسی اور نے اُس پر اِس بات کو فرض قرار دیدیا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ بات خدا نے اپنے فضل و کرم کی بناء پر اپنے اوپر لازم کرلی ہے۔ (فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ (۱۶۵) قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۱۶۵

اور یہ تمہارا کیا حال ہے کہ جب تم پر کوئی مصیبت آپڑی تو تم کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آگئی؟ حالانکہ (جنگِ بدر میں) تم (کافروں کو) اس سے دوگنی مصیبت پہنچا چکے ہو۔ آپؐ ان سے کہدیجیے کہ یہ (مصیبت) خود تمہارے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہے۔ بے بیشک اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ (کیونکہ تم نے اُحد میں رسولؐ کی نافرمانی کی تھی اس لیے تم کو شکست ہوئی، ورنہ اللہ جس طرح فتح دینے پر قادر ہے اسی طرح سزا دینے پر قادر ہے) (۱۶۵)

جنگِ اُحد میں مسلمانوں کی شکست کے اسباب

حضرت امام جعفر صادق ؑ سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا: "مسلمانوں نے جنگِ بدر میں ایک سو چالیس مشرکوں کو نقصان پہنچایا۔ اس طرح کہ ستر کو تو قتل کیا۔ اور ستر کو قید کیا۔ اور اُحد کے دن ستر مسلمان شہید ہوئے۔ اس پر مسلمان ناراض ہو کر کہنے لگے کہ یہ مصیبت ہم پر کہاں سے آئی؟ حالانکہ خدا نے تو نصرت کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ اس کے جواب میں خدا نے ارشاد فرمایا کہ تم پر تو بس ایک مصیبت پڑی ہے حالانکہ تم دشمنوں پر اس سے دوگنی مصیبت ڈال چکے ہو۔ پھر یہ بھی ہماری طرف سے مصیبت نہیں ہے۔ بلکہ یہ بھی خود تمہاری اپنی غلطی اور حکم عدولی کی وجہ سے آئی ہے۔ (تفسیر صافی ص۹۷ بحوالہ تفسیر عیاشی)

(باقی اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى (۱۶۶) الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۙ (۱۶۶)	اور جو مصیبت تمھیں دو گروہوں کے مقابلے (لڑائی) کے دن پہنچی وہ اللہ ہی کی اجازت (اور حکم) سے تھی۔ تاکہ اللہ مومنین (کے ایمان) کو (جانچ) جان لے۔

(پچھلے صفحے ۴۰۴ آیت ۱۶۵ کا بقیہ)

شکست کی دوسری وجہ

اصل بات یہ ہوئی تھی کہ بدر کے دن جو مشرک قید ہو کر آئے تھے، اُن کے لیے خدا کا حکم قتل آچکا تھا۔ مگر انصار نے عرض کی کہ یارسول اللہؐ! یہ قیدی ہمیں عنایت فرمادیں، اور انھیں قتل نہ فرمائیں۔ ہم اُن سے فدیہ لیں گے۔ پس جبرئیلؑ نازل ہوئے اور خدا کا یہ حکم پہنچایا کہ خدا اُن سے فدیہ لینے کی اجازت اِس شرط پر دیتا ہے کہ اگلے سال آپؐ کے اصحاب میں سے اِسی قدر (یعنی ستّر) شہید ہو جائیں گے۔ انصار نے کہا: "ہم راضی ہیں۔ اِس سال تو فدیہ لے کر قوّت پائیں، اگلے سال ہم میں سے جو شہید ہونے والے ہوں گے وہ جنّت میں پہنچ جائیں گے۔ اِس پر رسولِ خداؐ نے تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ انصار نے فدیہ وصول کر لیا۔ اگلے سال ہی جب اُحد میں ستّر مسلمان شہید ہوئے تو مسلمان کہنے لگے کہ ہم سے تو خدا نے نصرت کا وعدہ کیا تھا۔ پھر یہ مصیبت کیسے پڑی؟ اِس پر خدا نے یہ جواب دیا کہ یہ مصیبت خود تمھاری ہی طرف سے ہے یعنی تمھاری قبول کی ہوئی شرط کے مطابق ہے۔

(تفسیر صافی ص۹۱ بحوالہ تفسیر مجمع البیان)

www.drhasanrizvi.org

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۚ (۱۶۷)
وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا
فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا ۖ
قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا
لَّاتَّبَعْنَاكُمْ ۗ هُمْ لِلْكُفْرِ
يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۚ
يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ
فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ
بِمَا يَكْتُمُونَ ۚ (۱۶۷)

اور اُنھیں بھی جان لے[۱] کہ جنھوں نے منافقت کی اور جن سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو یا (کم سے کم) دفاع کرلو[۲] تو اُنھوں نے کہا: "اگر ہم جنگ کرنا جانتے ہوتے تو ضرور تمھارے پیچھے پیچھے آتے"۔ وہ اُس دن ایمان سے کہیں زیادہ کُفر کے نزدیک تھے۔ وہ آپؐ سے ایسی باتیں کہتے ہیں کہ جو اُن کے دلوں میں نہیں ہوتیں۔ اور جو وہ چھپاتے ہیں اللہ اُسے خوب جانتا ہے

یہ آیت منافقین کے بارے میں ہے

[۱] اِس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ باعتبارِ زمانہ اللہ کو کسی واقعے کا علم اُس وقت ہوتا ہے جب عالمِ خارج میں وہ ظاہر ہوجاتا ہے۔ خدا کا علم تو ازل سے ہے مگر وہ اِسی بنا پر ہے کہ وہ چیز اپنے وقت پر وقوع میں آئے گی۔ (فصل الخطاب)

[۲] خدا کا فرمانا کہ "دشمنوں کو دفع کرو" یعنی اللہ کی راہ میں جہاد کا جذبہ نہیں بھی ہو تو اب جبکہ دشمنوں نے تم پر حملہ کرہی دیا ہے تو اب اپنی قوم اپنی املاک اور اپنے وطن سے اُن کو دفع

www.drhasanrizvi.org

کرنے کے لیے آگے بڑھو۔ (بلاغی)

منافقوں کا کہنا کہ "ہم جنگ سے واقف ہوتے کہ جنگ ہونے والی ہے تو اُس کے لیے تیار ہوتے اور تمہارے ساتھ چلتے مگر اب ہم کیسے چل سکتے ہیں۔ اس کے دوسرے معنیٰ یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ "اگر ہم جنگ لڑنا اور لڑائی کا فن جانتے تو ہم چلتے۔" (عمدۃ البیان)

تیسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "اگر ہم اسے جنگ سمجھتے تو تمہارے پیچھے آتے" یہ تو جنگ ہی نہیں ہے اس لیے کہ تمہارے پاس مشرکوں سے مقابلے کی طاقت ہی نہیں ہے جنگ تو دو طاقتوں کے درمیان ٹکراؤ کو کہتے ہیں۔ (تفسیرِ صافی)

اِس پر خدا نے فرمایا کہ: "وہ اُس دن ایمان سے زیادہ کفر کے نزدیک تھے"۔ کیونکہ وہ اللہ کو بھولے بیٹھے ہیں گویا خدا کی نصرت کوئی چیز نہیں۔ جو کچھ ہے وہ بس مادّی وسائل ہیں۔ اِس لیے خدا نے فرمایا کہ "یہ اپنے مُنہ سے وہ کہتے ہیں جو اُن کے دل میں نہیں"۔ یعنی اِن کا ایمان صرف زبانی ہے اگر یہ دل سے ایمان لائے ہوتے تو اِس قسم کی باتیں ہی نہ بناتے۔ (فصل الخطاب)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا: جس کا یقین کمزور ہوتا ہے وہ اسبابِ ظاہری سے وابستہ ہوتا ہے۔ اِسی لیے فرائضِ الٰہیہ سے جی چُراتا ہے اور عام طور پر جو مادّی وسائل ہوتے ہیں اُنہی پر اپنے تمام کاموں کا دار و مدار رکھتا ہے۔ حالانکہ زبان سے یہ اقرار کرتا ہے کہ روکنے والا اور دینے والا سوا اللہ کے کوئی نہیں۔ اور یہ اقرار بھی کرتا ہے کہ بندے کو بس وہی کچھ ملتا ہے جو اُس کا رزق خدا کی طرف سے تقسیم ہوچکا ہے۔ مگر عمل اور دل سے اِس کا منکر ہے، جیسا کہ ارشاد ہوا کہ "یہ اپنے مُنہ سے وہ باتیں کہتے ہیں جو اُن کے دلوں میں نہیں ہیں۔" (مصباح الشریعۃ)

www.drhasanrizvi.org

اَلَّذِيۡنَ قَالُوۡا لِاِخۡوَانِهِمۡ وَ (۱۶۸)
قَعَدُوۡا لَوۡ اَطَاعُوۡنَا مَا قُتِلُوۡا ؕ
قُلۡ فَادۡرَءُوۡا عَنۡ اَنۡفُسِكُمُ
الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝۱۶۸

یہی وہ لوگ ہیں کہ جو خود تو (گھر میں) بیٹھے رہے اور اپنے اُن بھائی بندوں کے لیے (جو جنگ میں مارے گئے تھے) کہا کہ اگر وہ ہمارا کہنا مانتے تو نہ مارے جاتے۔ اُن سے کہیے کہ: "اگر تم سچے ہو تو جب خود تمھاری موت آئے تو اُسے ہٹا کر دکھا دینا۔

وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا (۱۶۹)
فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ
اَحۡيَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُوۡنَ ۝۱۶۹

اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں اُنھیں تم ہرگز مردہ نہ سمجھو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ وہ اپنے رب کے پاس سے رزق پا رہے ہیں [1] (۱۶۹)

یہ آیت[۱۶۹] شہدائے بدر و اُحد کی شان میں نازل ہوئی [1]

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ: جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "یہ آیت شہدائے بدر و اُحد کی شان میں نازل ہوئی۔ اور اِس آیت میں ہر وہ شخص بھی داخل ہے جو خدا کی راہ میں قتل ہوا ہو۔ چاہے وہ جہادِ اصغر ہو یا جہادِ اکبر، جہاں خواہشاتِ نفسانی کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ (تفسیر صافی صفحہ ۹۰ بحوالہ تفسیر مجمع البیان)

نوٹ: جہادِ اصغر، دشمنانِ اسلام سے جنگ کرنا۔ اور جہادِ اکبر، خواہشاتِ نفسانی سے مقابلہ کرنا ہے۔

www.drhasanrizvi.org

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ (۱۷۰)	جو کچھ کہ اُن کے رب نے اُن کو
مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ	اپنے فضل وکرم سے دیا ہے اُس پر وہ
بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ	بہت ہی خوش ہیں۔ وہ تو اپنے پیچھے
مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ	(دُنیا میں) رہ جانے والوں کی حالت
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝	پر بھی بہت خوش اور مطمئن ہیں جو ابھی

تک اُن کے پاس نہیں پہنچے ہیں۔ (کیونکہ) اُن کیلئے بھی نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی رنج ہوگا۔

شہادت پانے کے بعد شہداء کی کیفیت

حدیثِ نبوی ہے کہ:

"جو شخص نیک عمل لے کر دنیا سے جاتا ہے اُسے اللہ کے ہاں اسقدر پُر لطف اور پُر کیف زندگی میسّر آتی ہے جس کے بعد وہ کبھی دُنیا میں واپس آنے کی تمنا نہیں کرتا۔ مگر شہید اس سے مستثنیٰ ہے۔ وہ یہی تمنا کرتا ہے کہ پھر دُنیا میں بھیجا جائے اور پھر اُسی لذتِ شہادت کے نشے سے لُطف اندوز ہو جو راہِ خدا میں جان دیتے وقت حاصل ہوتا ہے۔" (مُسند احمد ابنِ حنبل)

"اور دنیا میں وہ ایمان وتقویٰ پر ہیں جب شہید ہوں گے اُن کے ساتھ ملیں گے اور روزِ قیامت امن اور چین کے ساتھ اُٹھائے جائیں گے۔" (قرآنِ عظیم محمد احمد رضا خاں بریلوی ص ۱۱۶)

"شہید کو قتل سے تکلیف نہیں ہوتی مگر ایسی جیسی کسی کو ایک خراش لگے۔"

(صحیح ترمذی و نسائی بحوالہ قرآنِ عظیم محمد احمد رضا خاں بریلوی ص ۱۱۶)

www.drhasanrizvi.org

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ (۱۷۱) وَفَضْلٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ ع

(غرض) وہ اللہ کی نعمت[1] اور اُس کے فضل وکرم پر نہایت خوش اور مطمئن ہیں۔[2] (کیونکہ وہ یہ دیکھ چکے ہیں کہ) اللہ مومنوں کے اجر و ثواب کو ہرگز برباد نہیں کرتا۔

---

[1] نعمت سے مراد اُن کے اعمال کا ثواب ہے اور فضل سے مراد اس ثواب پر زیادتی ہے۔ جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے کہ "جن لوگوں نے نیکی کی اُن کے لیے بہتری بھی ہے اور زیادتی بھی۔" (سورۂ یونس) (تفسیر صافی ص۹۷)

قرآن شہداء کو زندہ کہکر خاموش نہیں ہوتا

[2] قرآن، لفظ "زندہ" کہکر خاموش ہوجاتا تو یہ سمجھا جا سکتا کہ یہ زندہ کہنا نتائج کے لحاظ سے مجازی طور پر کہدیا گیا ہے۔ مگر قرآن شہیدوں کو صرف زندہ کہکر خاموش نہیں ہوتا، بلکہ اُن کی زندگی کی کیفیت کو تفصیل کے ساتھ بیان کر رہا ہے، جس سے ماننا پڑتا ہے کہ شہداء کی زندگی ایک خاص طرح کی بھرپور زندگی ہے جو بقائے روح یا حیاتِ برزخی سے الگ کوئی اور چیز ہے۔ البتہ یہ اور بات ہے کہ ہم اُس زندگی کی پوری کیفیت کو سمجھ نہیں سکتے، کیونکہ ہم کو اُس زندگی کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ سونے والا خواب کے عالم میں جاگنے کی حالت کو کہاں سمجھ سکتا ہے، جو ہم اُس حیات کی نوعیت کو سمجھ سکیں گے۔ (فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

اَلَّذِيۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ (۱۷۲) مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الۡقَرۡحُ ۛؕ لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوۡا مِنۡهُمۡ وَاتَّقَوۡا اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ۚ‏ (۱۷۲)

جن لوگوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسولؐ کی آواز پر لبّیک کہی، اُن میں سے جنھوں نے اچھے کام بھی کیے، اور جو بُرائیوں سے بھی بچتے رہے، اُن کے لیے بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔

غزوۂ اُحد کے زخمی مجاہدوں کیلئے اللہ کا حکم

جب رسولِ خداؐ غزوۂ اُحد کے بعد مدینہ تشریف لائے تو جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہا کہ اللہ آپؐ کو حکم دیتا ہے کہ قریش کا پیچھا کرو اور آپؐ کے ساتھ سوا اُن لوگوں کے جو زخمی ہیں، دوسرا کوئی نہ جائے۔ جناب رسولِ خداؐ نے منادی کرا دی کہ "جسے کوئی زخم لگ چکا ہے وہ نکلے۔ پس لوگوں نے یہ حکم قبول کیا اور اپنے زخموں کی مرہم پٹّی کرنے لگے۔ یہ آیت اُنہی کی شان میں اُتری۔ اگر اس حکم کی تعمیل نہ ہوتی تو قریش کے سرداروں کا یہ ارادہ تھا کہ مدینے پر شب خون ماریں۔ مگر جب اُنھوں نے دیکھا کہ مسلمان خود اُن کا پیچھا کر رہے ہیں تو وہ بھاگ نکلے۔*

ابو رافع سے روایت ہے کہ جب مشرک اُحد کے میدان سے بھاگے اور روحا کے مقام پر پہنچے تو آپس میں کہنے لگے کہ "ہم نہ تو کمسن عورتوں کو لاسکے، نہ ہم نے محمدؐ کو قتل کیا" جب یہ خبر رسولِ خداؐ کو ملی تو آپؐ نے حضرت علیؑ کو بنی خزرج کے ہمراہ مشرکوں کے تعاقب میں بھیجا۔ جس جگہ سے مشرک کوچ کرتے حضرت علیؑ وہیں جا اُترے۔ یہ آیت خدا نے اُنہی کی شان میں نازل فرمائی۔ روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کے زخموں پر لعابِ دہن لگایا اور اُن کے حق میں دعا بھی فرمائی۔ (تفسیر برہان) * (تفسیر صافی صفحہ ۹۸ بحوالہ تفسیر قمی)

www.drhasanrizvi.org

الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ (۱۷۳)
النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ
فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيمَانًا
وَّ قَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ
الْوَكِيلُ ۝ ۱۷۳

جن لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے
تمہارے مقابلے کے لیے بڑا لشکر جمع
کیا ہے لہٰذا تم اُن سے ڈرو۔ تو اِس
بات سے اُن کا ایمان اور بڑھ گیا اور
اُنھوں نے کہا کہ: "ہمارے لیے خدا کافی ہے
اور وہ تو بڑا ہی اچھا کام بنانے والا ہے۔" [۱]

فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ (۱۷۴)
وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ
وَّاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ
ذُوْ فَضْلٍ عَظِيمٍ ۝ ۱۷۴

نتیجتاً وہ اللہ کے فضل و نعمت کے
ساتھ لوٹے۔ [۱] اُنھیں کسی قسم کی کوئی
تکلیف نہ پہنچی۔ وہ اللہ کو خوش کرنے
کے کوشاں رہے۔ اور اللہ بڑا ہی
فضل و کرم فرمانے والا ہے۔

مسلمانوں نے کہا: "ہمارے لیے اللہ کافی ہے

[۱] ایک روایت کے مطابق جب ابوسفیان کو یہ علم ہوا کہ مسلمان اُس کا پیچھا کر رہے ہیں تو اُس نے ایک شخص کو اُن لوگوں کی اخلاقی قوت کو آزمانے کیلئے بھیجا، تاکہ وہ ان لوگوں کو اس بات سے ڈرائے کہ دشمن اکثریت میں ہے اور وہ کم ہیں۔ پھر دیکھیں کہ اُن پر اِس کا اثر ہوتا ہے یا نہیں؟

چنانچہ اُس شخص نے آکر مسلمانوں سے کہا کہ تم کس کے مقابلے پر جا رہے ہو؟ اُن کے پاس تو بہت زیادہ

www.drhasanrizvi.org

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيۡطٰنُ يُخَوِّفُ اَوۡلِيَآءَهٗ فَلَا تَخَافُوۡهُمۡ وَخَافُوۡنِ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ (۱۷۵)

یہ تو حقیقت میں شیطان ہے جو اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے۔ تو تم اُن سے مت ڈرو، صرف مجھ سے ڈرو اگر واقعی تم مومن ہو۔

(پچھلے صفحے ۴۱۲ کا بقیہ) اسلحہ اور فوج ہے۔ مگر مسلمانوں نے جو حضرت علیؑ کی سرکردگی میں جارہے تھے، یہ بات سُن کر کہا "حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ" یعنی۔ "ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین سرپرست ہے۔" اُن کی تعریف میں یہ آیتیں اُتریں۔ (تفسیر دُرِّ منثور)

★ حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ یہ بات غزوۂ بدرِ صغریٰ کی ہے۔ (تفسیر صافی و مجمع البیان)

★ اسی کے بعد آدابِ اسلامی میں یہ بات شامل ہوگئی کہ جب کوئی عظیم مہم درپیش ہو تو یہی الفاظ زبان پر جاری کیے جائیں۔ (مجمع البیان)

★ یہاں خدا کا فضل مسلمانوں پر اِن صورتوں میں ظاہر ہوا کہ (۱) اُن کے ایمان کے درجات میں ترقی ہوئی (۲) انہیں جہاد جیسی عظیم عبادت کے لیے نکلنے کا موقع ملا (۳) وہ کافروں کی شان و شوکت سے ذرا مرعوب نہ ہوئے۔ (۴) مالی اور تجارتی فوائد حاصل ہوئے۔ (۵) اجرِ عظیم کی بشارت ملی۔ (ماجدی)

(اس صفحے کا نوٹ) لہ شیطان کسی نہ کسی انسانی شکل میں وار کرتا ہے۔ یہی لوگ شیطان کے اولیاء کہلاتے ہیں۔ (قرطبی)

یعنی منافقین و مشرکین جو شیطان کے دوست ہیں اُن کا خوف نہ کرو۔ کیونکہ ایمان کا مقتضا ہی یہ ہے کہ بندے کو خدا ہی کا خوف ہو۔ (قرآن عظیم مترجمہ مولانا محمد احمد رضا خاں صاحب بریلوی)

www.drhasanrizvi.org

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ (۱۷۶)
فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا
اللّٰهَ شَيْـًٔا ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ
لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۷۶

اور یہ لوگ جو کفر میں تیزی دکھا رہے ہیں آپؐ کو رنجیدہ نہ کریں[1]۔ یہ اللہ کا کچھ بھی تو نہیں بگاڑ سکتے۔ اللہ نے تو طے کر لیا ہے کہ ان کو آخرت میں کوئی حصّہ نہ دے گا۔ اور اُن کیلئے تو بہت بڑی (دردناک) سزا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ (۱۷۷)
بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ
وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۷۷

وہ لوگ جو ایمان کو چھوڑ کر کفر کے خریدار بنے ہوئے ہیں[2] وہ ہرگز اللہ کا کوئی نقصان نہیں کر رہے ہیں، اور ان کے لیے تو بڑی ہی دردناک سزا ہے۔

اللہ رسولؐ کو تسلّی دے رہا ہے[1] علامہ طبرسیؒ نے لکھا کہ رسولِ خدا کو کبھی کبھی اپنی عبدیّت کے تقاضے سے یہ فکر پیدا ہوتی تھی کہ کہیں میری طرف سے دین کی تبلیغ میں کوئی کمی تو نہیں رہ گئی ہے جس کی وجہ سے ایمان ان لوگوں کے دلوں میں راسخ نہیں ہوتا۔ اسی بات کا اظہار اس آیت میں کیا گیا ہے۔ (مجمع البیان)

رہے یہ کفر میں تیزی کرنے والے، تو یہ کافر نہ تھے۔ بلکہ وہ تھے جو خود کو مومن کہہ رہے تھے، مگر اُنکی حرکتیں کافروں کی جیسی تھیں، جنھیں آجکل کالی بھیڑیں کہا جاتا ہے۔ (تفسیر صافی)

[2] یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی مول لی، اِن کیلئے اسبابِ ہدایت فراہم ہو چکے تھے

(باقی اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوٓا (۱۷۸) اور یہ کافر یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم جو
اَنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اُنھیں مہلت (پر مہلت) دیے چلے
اِنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا جا رہے ہیں، یہ ان کے لیے کوئی فائدے
اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○ کی بات ہے۔ (بلکہ) ہم تو اُن کو اس لیے
مہلت دے رہے ہیں تاکہ وہ اور زیادہ گناہ کر لیں، پھر اُن کے لیے ذلیل کرنے والی سزا ہے۔

(پچھلے صفحے ۴۱۴ کا بقیہ) یہ پیغمبرؐ کی خدمت میں بھی پہنچ چکے تھے، حلقۂ اسلام میں بھی داخل ہو چکے تھے، گویا ہدایت اِن کے ہاتھوں میں آچکی تھی۔ مگر اس کے باوجود اُنھوں نے دل میں کفر چھپا رکھا تھا اور منافقانہ چالیں چل چل کر گمراہی کا راستہ اختیار کیا۔ اسی لیے کہا گیا کہ اُنھوں نے ایمان کے بدلے کفر مول لیا۔ (فصل الخطاب)

کافروں کو مہلت پر مہلت کیوں دی جاتی ہے

حضرت امام محمد باقرؑ سے پوچھا گیا کہ "کافر کی زندگی بہتر ہے یا موت؟" آپؑ نے فرمایا: "مومن اور کافر دونوں کیلئے موت بہتر ہے" اس لیے کہ مومن کے لیے خدا فرماتا ہے کہ "جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیکوں کیلئے سب سے اچھا ہے"۔ اور کافروں کے بارے میں خدا فرماتا ہے:" اور پھر آپؑ نے یہی آیت ۱۷۸ تلاوت فرمائی۔ (تفسیر صافی ص۹۵ بحوالہ تفسیر عیاشی)

اگرچہ آیت کا تخاطب منافقوں سے ہے مگر یہ حکم تمام کافروں پر عام ہے۔ سب کافروں اور منافقوں کو ڈھیل پر ڈھیل ملتی ہے اور اُن پر نعمتوں کی فراوانی بھی ہوتی ہے۔ اس طرح خدا اُن پر اپنی حجت تمام کرتا ہے اور اُن کی سزا میں اضافے پر اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ پھر اُن کو مکمل تباہی کا منھ دیکھنا پڑتا ہے خواہ اسی دنیا میں یا مرتے ہی۔ (ملخص از فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۱۷۹) عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۟ (۱۷۹)

اللہ مومنوں کو اُس حالت میں ہرگز نہ چھوڑے رکھے گا، جس حالت میں تم ہو۔ یہاں تک کہ وہ ناپاک لوگوں کو پاک لوگوں سے الگ نہ کردے[1]، اور اللہ تمھیں غیب کی چھپی ہوئی باتیں نہ بتادے۔ اور وہ اپنے پیغمبروں میں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے[2] (لہٰذا غیب کی چھپی ہوئی باتوں کے بارے میں) اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان رکھو۔ اگر تم ایمان اور تقوٰی یعنی خدا کے عذاب سے ڈرتے ہوئے فرائض کو ادا کرتے رہو گے، تو تمھارے لیے بہت ہی بڑا اجر و ثواب ہے۔ (۱۷۹)

اللہ مومن اور منافق، طیّب اور خبیث کی تمیز قائم کرنا چاہتا ہے۔

[1] **آیت کے نتائج:** محققین نے (۱) پہلا نتیجہ نکالا کہ: "خدا مسلمانوں کی جماعت کو اس حال میں دیکھنا پسند نہیں کرتا کہ اُن میں سچّے مومن اور منافق مِلے جُلے ہوں۔

(۲) دوسرا نتیجہ یہ نکالا کہ قرنِ اوّل میں پاک لوگ بھی تھے اور ناپاک بھی۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ خدا ایسی صورتیں ضرور پیدا کرے گا کہ اُن میں امتیاز ہو جائے۔ (تفسیر صافی)

(۳) تیسرا نتیجہ یہ بھی نکالا گیا کہ دورِ رسولؐ ہی میں اور آپؐ کے بعد بھی ایسے امتحانی

(باقی اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

مواقع پیش آتے ہی رہیں گے، جن کے ذریعے سے یہ فرق معلوم ہوتا جائے گا کہ کون خبیث ہے اور کون طیب ہے۔ اب یہ کہنا بالکل غلط ثابت ہوگیا کہ صدرِ اسلام کے واقعات پر تبصرہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس سے کچھ مقدس افراد کے بارے میں رائے بدل جاتی ہے خود قرآن دورِ اوّل اور صدرِ اسلام کے واقعات کو خوب پھٹک پھٹک کر پوری تفصیلات کے ساتھ بیان کر رہا ہے اور ہمیں یہ سبق دے رہا ہے کہ دورِ اوّل کے واقعات کو بصارت اور بصیرت کے ساتھ دیکھنا چاہیے اور پھر بزرگوں میں امتیاز کیا جائے کہ کون اِس لائق ہیں کہ اُنکی پیروی کی جائے اور کون وہ ہیں کہ جن کی پیروی کرنا خطرناک ہے جن سے یہ کہا جا رہا ہے کہ "تم ایمان پر قائم رہو اور برائیوں سے بچتے رہو۔ تب کہیں تم کو اجرِ عظیم اور آخرت کی کامیابی حاصل ہوگی۔"

۲۔ پھر کہا گیا کہ خدا اُنھیں براہِ راست غیب کی باتیں بتانے والا نہیں، ہاں پیغمبروں میں سے جسے چاہتا ہے اس کام کے لیے منتخب کر لیتا ہے۔ (تفسیر صافی)

۳۔ اور یہ جو کہا گیا کہ "اللہ اور اُس کے پیغمبروں پر ایمان رکھو" تو اس ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ جس کے بارے میں پیغمبرؐ جو کچھ فرمائیں، اُسے اللہ کے دیے ہوئے علم کا نتیجہ سمجھو، اُسے رشتے کی محبت کا نتیجہ قرار نہ دو۔

غرض جب تاریخ بھی سامنے ہوگی اور یہ آیات بھی سامنے ہونگی اور رسولؐ کے ارشادات بھی سامنے ہوگئے تو ہمیں اچھوں اور بُروں کا فرق معلوم ہو جائیگا اور اس طرح ہم غلط رہبروں سے بچ سکیں گے (فصل الخطاب)

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ مومن اور منافق کی تمیز نمایاں کرنے کیلئے اللہ یہ طریقہ اختیار کرتا ہے کہ ایسے امتحانات کے مواقع پیش آئیں کہ جن میں تجربے سے مومن اور منافق کا حال کھل کر سامنے آجائے۔
(تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ (١٨٠) بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۧ ع ۹ ١٨

اور جو لوگ اُس چیز کے دینے میں بخل کرتے ہیں کہ جو خدا نے اُن کو اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائی ہے تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ اُن کے لیے کوئی اچھی بات ہے[1]۔ بلکہ یہ اُن کے لیے بڑی تباہی ہے۔ وہ جو کچھ اپنی کنجوسی سے جمع کر رہے ہیں، وہی قیامت کے دن اُن کو گلے کے طوق بنا کر پہنائے جائیں گے[2]۔ اور آسمانوں اور زمین کی ہر چیز تو اللہ ہی کی میراث (ملکیت) ہے۔ اور وہ جو بھی کر رہے ہیں اللہ اُس کو خوب جانتا ہے۔

اللہ کے عطا کردہ مال میں بُخل کی مذمت

[1] مطلب یہ ہے کہ جب، جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ کی ملکیت ہے، تو یہ لوگ کون ہیں جو خدا کے مال میں بُخل کرتے ہیں اور اُسے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ (تفسیر صافی ص۹۸)

[2] حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "جو شخص زکوٰۃ واجب کا مال روکے گا، خدا اُس مال کو ایک آتشیں سانپ بنا کر اُس کی گردن میں بطور طوق ڈال دے گا، وہ اُس کا گوشت کھاتا رہے گا یہاں تک کہ وہ حساب سے فارغ ہو جائے۔ (تفسیر صافی ص۹۸ بحوالہ کافی)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "یہ بُخل ہی ہے جو اُنھیں حقوقِ واجبہ مثلاً زکوٰۃ وغیرہ ادا کرنے سے روکتا ہے"۔ (مجمع البیان) (باقی اگلے صفحے پر)

www.drhasanrizvi.org

(پچھلے صفحے ۴۱۸ کا بقیہ)

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: "اول تو یہ دُنیا کی دولت باقی رہنے والی چیز ہی نہیں۔ اگر باقی رہ بھی جائے تو، تُو کب اس کے لیے باقی رہ جائے گا۔" عقلی طور پر یہ کتنے بڑے عیب کی بات ہے کہ انسان خدا ہی کی دی ہوئی دولت کو خدا کی راہ میں دینے سے بُخل کرے۔ خدا ہی کے مال میں سے خدا ہی کے مقرر کیے ہوئے حقوق ادا نہ کرے! جبکہ خدا نے اُس کا بھرپور اجر دُنیا اور آخرت دونوں میں دینے کا سچا وعدہ بھی کیا ہے۔ ایسے کنجوسوں کو تو ایسی ہی سخت سزا ملنی چاہیے۔

پھر خدا کا یہ فرمانا کہ جو مال " اللہ نے اپنے فضل و کرم سے انھیں دیا ہے"۔ عقلی طور پر اُن کے عمل کی رکاکت کا اظہار ہے کہ مال بھی خدا کا دیا ہوا ہے اور خدا ہی کے عائد کیے ہوئے فرائض خدا کے دیے ہوئے مال سے ادا کرنے کو تیار نہیں۔ ایسا بُخل کتنی گھٹیا چیز ہے۔ (تفسیر صافی)

پھر خدا کا یہ فرمانا کہ " اللہ کے لیے آسمانوں اور زمین کا ترکہ ہے"۔ یعنی جس مال میں یہ بُخل کرتے ہیں یہ اُن کے پاس رہ جانے والا بھی تو نہیں۔ ایک دن یہ اپنا سب جمع کیا ہوا مال چھوڑ چھاڑ کر چل دیں گے۔ تو آخر میں ان تمام اموال پر خدا ہی کا قبضہ ہوگا کیونکہ خدا ہی سب کے بعد رہنے والا ہے۔ اُس کو فنا نہیں۔ اور اگر یہ مال تم خود ہی دیتے تو اُس کا تمھیں بھرپور اجر بھی ملتا۔ ٭

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ زمین و آسمانوں کی جو چیز بھی ہم استعمال کر رہے ہیں وہ دراصل اللہ کی ملکیت ہے، ہمارا قبضہ صرف عارضی ہے۔ ہر ایک کو اپنی ملکیت سے بے دخل ہونا ہے۔ اور آخر کار سب کچھ اللہ کا ہو جانا ہے۔ لہٰذا عقلمند وہ ہے کہ جو اس عارضی قبضے کے دوران اللہ کے مال کو اللہ کی راہ میں دل کھول کر خرچ کرے اور بے وقوف وہ ہے جو مال کو بچا بچا کر رکھے۔ (تفہیم)

٭ (ملخص از مجمع البیان)

www.drhasanrizvi.org

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ (۱۸۱)
قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ
اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا
وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ
وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ
الْحَرِيْقِ ۝۱۸۱

اللہ نے اُن (یہودیوں) کا کہنا سُن لیا جو اُنھوں نے کہا کہ "اللہ تو فقیر ہے، اور ہم مالدار ہیں"[۱]۔ جو کچھ بھی اُنھوں نے کہا ہے وہ ہم لکھ لیں گے۔ اور اِس سے پہلے اُن کا انبیاء کو ناحق قتل کرنا بھی (لکھ لیں گے) اور پھر ہم کہیں گے کہ لو اَب آگ کی سزا کا مزہ چکھو[۲]۔

یہودیوں کا جاہلانہ قول "ہم غنی اور اللہ فقیر ہے"

[۱] جب یہودیوں نے یہ آیت سُنی کہ "وہ کون ہے جو اللہ کو اچھا قرضہ دے"۔ تو اُنھوں نے کہا: کیا اللہ محتاج ہے۔" اصل میں اُنھوں نے خدا کو تو دیکھا نہیں لیکن اُنھوں نے خدا کے خاص بندوں کو دیکھا کہ وہ فقیر ہیں تو کہدیا کہ اگر اللہ دولتمند ہوتا تو اِن کو بھی دولتمند کر دیتا۔ اِس طرح اِن احمقوں نے خود کو دولتمند سمجھ کر خدا پر فخر کیا۔ (تفسیر صافی ص۹۸ و تفسیر قمی)

[۲] کیونکہ اُن کا یہ کہنا کہ "ہم دولتمند ہیں اور اللہ فقیر ہے"۔ بہت بُرا کلمہ ہے اور خدا کے ساتھ کفر اور مذاق کرنے کے مترادف ہے۔ اِس لیے اللہ نے فرمایا "ہم اِس کلمے کو لکھتے جائیں گے اور قیامت کے دن اِسکی سزا بھی ملیگی (تفسیر صافی ص۹۸)

فقہا نے نتیجہ نکالا کہ جو یہودی انبیاء کے قاتلوں سے راضی اور مطمئن رہے وہ بھی گویا عملاً انبیاء کے قاتلوں میں شریک اور قتل کے ذمے دار قرار پائے کیونکہ معصیت پر راضی ہو جانا بھی معصیت ہوتا ہے۔ (قرطبی)

www.drhasanrizvi.org

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ (۱۸۲) وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ ۱۸۲

یہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے (کیونکہ) حقیقتاً اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

یہودیوں کے اِس قول سے مراد عوام النّاس کو بیوقوف بنانا تھا

یہودیوں نے کہا " اللہ تو (معاذ اللہ) مفلس ہے اور ہم لوگ مالدار ہیں جبھی تو خدا ہم سے قرضہ مانگ رہا ہے۔ (تفسیر صافی)

حالانکہ یہودی خوب جانتے تھے کہ قرضے سے یہاں کیا مراد ہے؟ مگر عوام کو بے وقوف بنانے کے لیے اس قسم کے احمقانہ نکتے پیدا کر رہے تھے۔ (مجمع البیان)

احمقانہ اعتراض کے جواب کا طریقہ

ایسے بے معنی اعتراضات کا جواب نہ دینا ہی بلاغت کا تقاضا ہوتا ہے، اس لیے قرآن نے اس کا جواب نہ دیا اور اس کو یہودیوں کی سرکشی اور حق دشمنی کا نتیجہ قرار دیا، جو اس سے پہلے انبیاء کو قتل کر دینے جیسے جرم سے ظاہر ہو چکی ہے۔ اس لیے کہ جواب تو اُس وقت دیا جاتا ہے جب اعتراض کرنے والے کا اصل مقصد سمجھنا ہو لیکن اگر معترض کا اصل مقصد اعتراض برائے اعتراض ہو، تو اُس وقت بجائے جواب دینے کے اُس کے اصل مرض کو بتا دینا ہی فصاحت کا تقاضا ہوتا ہے۔ (فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

اَلَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ (۱۸۳) اِلَیْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰی یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ وَ بِالَّذِیْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ ۱۸۳

جو لوگ کہتے ہیں کہ: "اللہ نے ہمیں ہدایت کردی ہے (ہم سے عہد کرلیا ہے) کہ ہم کسی کو رسول نہ مانیں جب تک کہ وہ ہمارے سامنے ایسی قربانی پیش کر کے نہ دکھائے جسے (آسمانی) آگ آکر کھالے" ان سے کہیے کہ تمہارے پاس مجھ سے پہلے بھی تو بہت سے رسول آچکے ہیں۔ جو بہت سی روشن نشانیاں لائے تھے۔ اور وہ یہ نشانی بھی لائے تھے جس کا تم مطالبہ کرتے ہو۔ تو پھر تم نے اُن رسولوں کو کیوں قتل کر دیا؟ اگر تم (اپنے اس مطالبے میں) سچے ہو۔؟ [۱]

یہودیوں کے ایک اور جھوٹ کی رد

[۱] یہودی کہتے تھے کہ ہماری توریت میں ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جبتک کہ وہ ہمیں وہ خاص معجزہ نہ دکھائے جو انبیاءِ بنی اسرائیل دکھایا کرتے تھے مثلاً جب کوئی شخص قربانی دیتا تھا اور کوئی نبی دعا کرتا تھا اور قربانی قبول ہوتی تھی تو آسمان سے آگ اُتر کر اُسے جلا ڈالتی تھی۔ قرآن نے کہا یہ سب ان کی جھوٹی باتیں ہیں۔ (تفسیر صافی ص ۹۹)

اس آیت میں خدا نے یہودیوں کو رد کیا ہے کہ "پھر تم نے زکریا اور یحییٰ کو کیوں نہ مانا جو معجزے لیکر آئے تھے۔ اُن کو کیوں رنج پہنچایا اور کیوں قتل کیا؟ (کافی بحوالہ امام جعفر صادق ؑ)

مخاطبین رسولؐ کو اللہ نے انبیاء کے قاتل اس لیے قرار دیا کہ یہ لوگ (یہودی) بھی اُن کے قتل پر راضی تھے (امام صادقؑ) (مخلص تفسیر عیاشی)

www.drhasanrizvi.org

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ (۱۸۴)
رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ
وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝ ۱۸۴

اب اگر انھوں نے آپ کو جھٹلایا ہے تو آپ سے پہلے والے بہت سے پیغمبر بھی (اسی طرح) جھٹلائے گئے ہیں جو کھلی ہوئی دلیلیں، صحیفے اور کتابِ منیر لیکر آئے تھے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا (۱۸۵)
تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ
فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ
اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ
وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ
الْغُرُوْرِ ۝ ۱۸۵

(آخرکار) ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہی ہے۔ اور تم سب کے سب اپنا پورا پورا اجر و ثواب قیامت کے دن پانے والے ہو۔ تو جسے بھی جہنم کی آگ سے چھٹکارا دے دیا جائے، اور جنت میں بھیج دیا جائے، وہی دراصل کامیاب ہے، (کیونکہ) دنیوی زندگی تو ایک سرمایۂ فریب (یعنی) دھوکہ کھانے کے سامان (دھوکے کی ٹٹی) کے سوا کچھ بھی تو نہیں۔[۵]

اللہ کی ہر مخلوق کو موت کا ذائقہ چکھنا پڑے گا [۵]

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ "پہلے اس زمین کے باشندے مرجائیں گے۔ پھر آسمان والے مرجائیں گے۔ صرف ملک الموت اور حاملانِ عرش زندہ ہوں گے۔ خدا ملک الموت سے پوچھے گا: "اب کون باقی ہے؟" وہ کہے گا "مالک! میرے، حاملانِ عرش، جبرئیل اور میکائیل کے سوا کوئی باقی نہیں رہا"۔ حکم ہوگا جبرئیل و میکائیل سے کہو کہ وہ دونوں بھی مرجائیں۔ فرشتے عرض کریں گے "مالک! یہ دونوں تو تیرے

(باقی اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

(پچھلے صفحے ۴۲۳ کا بقیہ) رسول اور امین ہیں۔" حکم ہوگا کہ " یہ بات میں پہلے ہی طے کرچکا ہوں
کہ جس نفس میں روح ہے وہ موت کو ضرور چکھے گا۔ پھر باوجود جاننے کے خدا ملک الموت سے
سوال کرے گا کہ " اب کون باقی ہے ؟ " " ملک الموت کہے گا کہ " میرے اور حاملانِ عرش
کے سوا کوئی باقی نہیں۔" اللہ ارشاد فرمائے گا کہ حاملانِ عرش سے کہو کہ وہ بھی مرجائیں۔" اب
ملک الموت غمگین ہوکر حاضر ہوگا۔ پھر علم رکھتے ہوئے خدا پوچھے گا کہ " اب کون باقی رہا ؟ "
ملک الموت کہے گا " صرف میں ہوں "۔ حکم ہوگا " تم بھی مرجاؤ "۔ اُس وقت زمین اور آسمان
خدا کے قبضۂ قدرت میں ہوں گے۔ خدا فرمائے گا " اب کہاں گئے وہ جو میرا شریک ٹھیراتے تھے؟
اور میرے سوا اوروں کو خدا بناتے تھے ؟ " (تفسیر صافی صہ ۹۹ بحوالہ کافی)

ےہ دنیا کی زندگی کا "سرمایۂ فریب" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دُنیا کے عیش و آرام کو
لوگ دھوکے سے اپنی اصلی کامیابی سمجھ لیتے ہیں جو حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔ (مجمع البیان)

حاصلِ مطلب یہ ہے کہ دنیا کے فوائد ہی کو اگر کوئی اصلی اور آخری نتائج سمجھ بیٹھے
اور اِنہی پر حق و باطل کا فیصلہ کرنے لگے تو وہ سخت دھوکے میں مبتلا ہوجائے گا۔ یہاں کسی پر
نعمتوں کی بارش ہونا اِس بات کا قطعاً ثبوت نہیں ہے کہ وہی حق پر ہے۔ اور اُسی کو اللہ کی بارگاہ
میں قبولیت حاصل ہے۔ اور اسی طرح یہاں کسی کا مصائب و مشکلات میں مبتلا ہونا بھی لازمی طور
پر یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ باطل پر ہے، بلکہ اکثر اوقات دُنیا کے نتائج آخرت کے نتائج کے
برعکس ہوتے ہیں۔ اصل اعتبار آخرت کے نتائج کا ہے۔ (تفہیم)

پیغمبر اکرم ؐ نے فرمایا: "دُنیا آخرت کی کھیتی ہے۔" جو کچھ یہاں بوؤ گے آخرت میں اُس کو کاٹو گے۔

www.drhasanrizvi.org

لَتُبۡلَوُنَّ فِیۡۤ اَمۡوَالِکُمۡ وَاَنۡفُسِکُمۡ ۟ وَلَتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَمِنَ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡۤا اَذًی کَثِیۡرًا ؕ وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ﴿۱۸۶﴾

(اِس دنیا میں) لازمی طور پر تم کو تمہاری جانوں اور مالوں کے بارے میں آزمایا جائے گا[1] اور تمھیں اہلِ کتاب اور مشرکوں سے بہت سی تکلیف دینے والی باتیں سُننی پڑیں گی۔ اگر تم اِن تمام باتوں پر صبر کرو گے اور (انکے طعن وطنز کے باوجود) فرائضِ الٰہیہ کو ادا کرتے ہوئے بُرائیوں سے بچتے رہو گے تو یقیناً یہ بڑے ہی مضبوط ارادے اور بڑے ہی حوصلے کے کام ہیں[2] ——— (۱۸۶)

دُنیا میں صبر اور مختلف تکالیف سے آزمایا جائے گا

[1] خدا کا یہ فرمانا کہ "ضرور ضرور تمہارا امتحان ہوگا" یعنی جہاد اور خیرات میں جان ومال کی قربانی کے احکامات کی شکل میں بھی امتحان ہوگا اور مصائب کے مقابلہ کرنے کی شکل میں بھی۔ (تفسیر صافی)

[2] غرض آیت کا پیغام یہ ہے کہ کافروں کے طعن وتشنیع اور اُن کے جھوٹے الزامات اور بیہودہ طرزِ کلام اور اُن کی جھوٹی نشر و اشاعت کے مقابلے میں بے صبر ہوکر تم ایسی باتوں پر نہ اُتر آؤ جو صداقت و انصاف و وقار وتہذیب اور اخلاقِ فاضلہ کے خلاف ہوں۔ (تفہیم)

مخالفین کی بد اخلاقی کا جواب نہ دینا ہی تقویٰ کا تقاضا ہے اور یہی مضبوط کردار کا ہونا ہے۔ یعنی یہی وہ کردار ہے جو مضبوط عزم اور ارادے کے جوہر کا تقاضا ہے اور اسی پر عزم وہمّت کے ساتھ قائم رہنا چاہیے۔ (ملخص از مجمع البیان)

www.drhasanrizvi.org

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ (۱۸۷) اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّہٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَہٗ ز فَنَبَذُوْہُ وَرَآءَ ظُھُوْرِھِمْ وَاشْتَرَوْا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ط فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُوْنَ ۱۸۷ ۝

اور اِن اہلِ کتاب کو ذرا وہ عہد تو یاد دلاؤ کہ جب اللہ نے اِن سے یہ عہد لیا تھا کہ تم کو ضرور بالضرور کتابِ خدا کی تعلیمات کو لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کرنا ہوگا اور اُن تعلیمات کو تم چھپاؤ گے بھی نہیں، تو اُنھوں نے اِس عہد کو پسِ پُشت ڈال دیا اور تھوڑی سی قیمت پر اُس کو بیچ ڈالا۔ کتنا بُرا کاروبار ہے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔ ؟ لہ (۱۸۷)

اہلِ کتاب رسولِ خدا کی حقّانیت کو چھپا رہے تھے

لہ یہ عہد و پیمان ہر صاحبِ علم کے لیے ہے کہ وہ حق کو نہ چھپائے، جبکہ حق کے چھپانے سے پوری دنیا کا نقصان ہو۔ اہلِ کتاب رسولِ آخر کی حقّانیت کو چھپا رہے تھے۔ اور وہ بھی تھوڑے سے دُنیوی فائدے کی خاطر جسے کم قیمت (ثمنِ قلیل) کہا گیا ہے۔

کس سے کیا عہد لیا گیا تھا ؟

امیر المؤمنین حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ "خدا نے جاہلوں سے تو یہ عہد نہ لیا کہ علمِ دین کو سیکھیں، لیکن علماء سے عہد لیا کہ تم جاہلوں کو اچھا کردار سکھاؤ"

(عمدۃ البیان)

www.drhasanrizvi.org

اہلِ کتاب کے علماء نے اِس عہد کو بھلا دیا اِس عہد کا ذکر بائبل میں بھی آتا ہے۔

تفسیر صافی میں ہے کہ " مگر اہلِ کتاب کے علماء نے اِس پر عمل نہ کیا' اور وہ اِس بات پر بڑے خوش بھی ہیں۔ خیر یہاں خوش ہولیں اور کمالیں، مگر آخرت میں اُن کے لیے سخت عذاب ہے۔ (تفسیر صافی)

یہاں جس عہد کا ذکر کیا گیا ہے اُس کا ذکر بائبل میں بھی آتا ہے۔ وہ یہ کہ " حضرت موسٰی علیہ السلام اپنی آخری تقریر میں بنی اسرائیل سے عہد لیتے ہیں کہ " جو احکام میں نے تم کو پہنچائے ہیں اُنھیں اپنے دل پر نقش کرنا' اپنی آئندہ نسلوں کو سکھانا' گھر بیٹھے اور راستہ چلتے اور لیٹتے ، اُٹھتے ، بیٹھتے ہر وقت اُن کا چرچا کرنا' اپنے گھر کی چوکھٹوں پر اور اپنے پھاٹکوں پر اُن کو لکھ دینا۔" (کتاب استثنار ۶ : ۴-۹)

لیکن اِس کے باوجود بنی اسرائیل کی خدا کی کتاب سے غفلت یہاں تک بڑھی کہ حضرت موسٰی علیہ السلام کے سات سو سال بعد ہیکلِ سلیمانی کے سجادہ نشینوں تک کو یہ معلوم نہ تھا کہ اُن کے ہاں تورات نامی بھی کوئی کتاب موجود ہے۔ (۲-سلاطین-۲۲ : ۸-۱۳)

علم سیکھنے اور سکھانے کے بارے میں آنحضرت ؐ نے ارشاد فرمایا

حضرت امام محمّد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضور اکرم ؐ نے ارشاد فرمایا: " علم سیکھنے اور سکھانے والوں کے قدموں کے نیچے فرشتے اپنے پر زمین کے اوپر بچھا دیتے ہیں اور سمندر کی مچھلیاں تک اُن کے لیے خدا سے استغفار کرتی رہیں۔" (اصول کافی)

www.drhasanrizvi.org

لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡرَحُوۡنَ (۱۸۸)
بِمَاۤ اَتَوۡا وَّیُحِبُّوۡنَ اَنۡ یُّحۡمَدُوۡا
بِمَا لَمۡ یَفۡعَلُوۡا فَلَا تَحۡسَبَنَّهُمۡ
بِمَفَازَةٍ مِّنَ الۡعَذَابِ ۚ وَلَهُمۡ
عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۝۱۸۸

تم اُن لوگوں کو عذاب سے بچا ہوا نہ سمجھ لینا کہ جو اپنے کرتوت پر اِترائے جاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ایسے کاموں پر بھی اُن کی تعریف کی جائے جو انھوں نے انجام ہی نہیں دیے ہیں، اُن کے لیے تو دردناک سزا تیار ہے۔ ؎۱

وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ (۱۸۹)
وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۝۱۸۹ ع ۱۹

اور آسمانوں اور زمین کی ملکیت اور سلطنت تو صرف اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ ؎۲

جو لوگ اپنی جھوٹی تعریف چاہتے ہیں یہ آیت اُن کی مذمت کر رہی ہے

؎۱ مثلاً وہ لوگ اپنی تعریف میں یہ سُننا چاہتے ہیں کہ وہ بڑے متقی ہیں، دیندار، ایماندار ہیں خادم دین اور حامئ شرعِ متین ہیں، مصلح اور معلّم ہیں۔ حالانکہ حضرت کچھ بھی نہیں۔ مگر اپنے حق میں ایسے ایسے ڈھنڈورے پِٹواتے ہیں۔ حالانکہ معاملہ بالکل برعکس ہوتا ہے۔
یعنی: (برعکس نہند نام زنگی کافور) (تفہیم)

؎۲ اِس میں اُن گستاخوں کا رد ہے جنھوں نے کہا تھا کہ اللہ فقیر ہے۔
(قرآنِ عظیم مترجمہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی)

www.drhasanrizvi.org

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ۝ (۱۹۰)

یہ حقیقت ہے آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے باری باری آنے جانے میں نشانیاں ہیں (اُن) صاحبانِ عقل و ہوش کیلئے ،

الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ وَ یَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ ہٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (۱۹۱)

جو اللہ کو اُٹھتے ، بیٹھتے ، لیٹتے اور کروٹ کروٹ یاد کرتے رہتے ہیں [۱] اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق (اور ساخت) پر غور و فکر کرتے رہتے ہیں [۲] (اور بے اختیار کہہ اُٹھتے ہیں کہ) اے ہمارے پالنے والے ! یہ سب کچھ تُو نے بے مقصد تو ہرگز نہیں بنایا ، تُو ہر عیب سے پاک ہے ، ہمیں دوزخ کی سزا سے بچالے ۔ (۱۹۱)

ذکرِ خدا اور تخلیقِ کائنات میں تفکّر کرنے والوں کی تعریف

[۱] حضرت امام محمّد باقرؑ سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ: "تندرست آدمی کھڑے اور بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے اور بیمار بیٹھے بیٹھے نماز پڑھتا ہے۔ اور جو بہت کمزور ہو وہ کروٹ کے بل لیٹے لیٹے نماز پڑھ سکتا ہے۔" (تفسیر صافی ص ۹۹ بحوالہ تفسیر عیاشی)

[۲] حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا: "سب سے بڑی

(باقی اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

(پچھلے صفحہ ۴۲۹ کا بقیہ) عبادت خدا کی مخلوقات، اُس کی قدرت اور اُس کی حکمت پر غور کرنا ہے۔"

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: "غور و فکر کے ذریعے اپنے دل کو ہوشیار رکھو۔ رات کو کم سویا کرو اور اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو۔"

حضرت امام رضاؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا: "صرف کثرت سے روزے رکھنا اور نماز پڑھنا ہی عبادت نہیں ہے۔ بلکہ خدا کے کاموں پر غور و فکر کرنے کا نام عبادت ہے" ایک ساعت خدا کی مخلوقات پر غور و فکر کرنا پوری رات کی عبادت سے افضل ہے۔۔۔۔

۔۔۔۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ ایک سال کی عبادت سے افضل ہے۔۔۔۔

۔۔۔ اور تیسری روایت میں ہے کہ ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے۔ (یہ اختلاف تفکر کرنے والوں کے درجوں اور نوعیت کے لحاظ سے ہے۔) (تفسیر صافی ص ۹۹)

غرض جب وہ (اللہ کا ذکر کرنے والے) لوگ نظامِ کائنات کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت اُن پر کھل جاتی ہے کہ یہ کائنات سراسر ایک حکیمانہ تخلیق اور نظام پر مبنی ہے اور یہ بات سراسر حکمت کے خلاف ہے کہ جس مخلوق میں خدا اخلاقی حس (و تمیز) پیدا کر دے اور جسے تصرف کے اختیارات بھی دے دے اور جسے عقل و تمیز بھی عطا فرمائے، اُس سے اُس کے کاموں کی باز پرس نہ ہو۔ اور اُسے نیکی پر جزا اور بدی پر سزا نہ ملے۔ اس طرح نظامِ کائنات پر غور کرنے سے انھیں آخرت کا یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ خدا کی سزاؤں سے پناہ مانگنے لگتے ہیں۔ (تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝۱۹۲ (۱۹۲)

(کیونکہ) جسے بھی تُو نے جہنّم کی آگ میں داخل کردیا، تو حقیقت میں اُسے تُو نے بے حد ذلیل کردیا[۱] اور پھر ایسے ظالموں کا کوئی مددگار بھی نہ ہوگا۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ۚ (۱۹۳)

مالک! ہم نے ایک پکارنے والے[۲] کو سُنا جو ایمان کی طرف بلارہا تھا، اور کہتا تھا کہ اپنے ربّ کو مانو۔ تو ہم نے اُس کو دل سے مان لیا۔ پس اے ہمارے آقا! جو گناہ بھی ہم سے ہوئے ہیں اُن کو معاف کردے۔ اور جو بُرائیاں اور غلطیاں ہم نے کی ہیں، اُن کی تلافی کرکے اُن کو مٹادے (یا ہم سے دُور کردے۔ اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ فرما۔ (۱۹۳)

حکماء اور محقّقین نے نتیجہ نکالا:[۱] کہ عذابِ روحانی عذابِ جسمانی سے بڑھ کر شدید ہوگا۔ کیونکہ قرآن نے اُس رُسوائی کا ذکر عذابِ دوزخ کے بعد فرمایا ہے (تفسیرِ کبیر)

منادی سے مراد[۲] اِس منادی سے مراد سیّدِ انبیاء محمّد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ہیں جن کی شان میں دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وارد ہے یا قرآن کریم مراد ہے

(قرآن عظیم مترجمہ از مولٰنا محمد احمد رضا خاں صاحب بریلوی)

www.drhasanrizvi.org

رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَ لَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ○ ۱۹۴

(۱۹۴) اے ہمارے پالنے والے! جن چیزوں کے وعدے تُو نے اپنے رسولوں[۱] کے ذریعے کیے ہیں، وہ ہمیں عطا فرما، اور قیامت کے دن ہم کو ذلیل نہ کرنا، بیشک تُو کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔[۱]

آیات ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴ میں پانچ مرتبہ "رَبَّنَا" کا لفظ آیا ہے اور جناب رسولِ خداؐ کی حدیث ہے کہ

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا[۲]

نے ارشاد فرمایا کہ "جس شخص کو کسی چیز نے غمگین کیا ہو اور وہ پانچ مرتبہ رَبَّنَا رَبَّنَا (ہمارے پالنے والے مالک!) کہکر خدا کو پکارے تو خدا اُس کو اُس چیز (غم) سے نجات دیگا جس سے وہ ڈرتا ہے"۔ (تفسیر صافی ص۱۰۰)

آپؐ ہی نے جس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں تو فرمایا: "اُن لوگوں کے لیے ویل (تباہی) ہے جو اِن آیتوں کو پڑھیں مگر اِن کے مطالب پر غور نہ کریں"۔ (تفسیر مجمع البیان)

[۱] مطلب یہ ہے کہ انھیں اِس بات پر تو شک ہی نہیں ہے کہ اللہ اپنے وعدوں کو پورا کریگا یا پورا نہ کریگا وہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ ضرور اپنے وعدے پورے کریگا۔ البتہ انھیں اِس بات پر شک ہے کہ جنّت کے وعدوں کے مصداق ہم قرار پاتے ہیں یا نہیں؟ اِس لیے وہ اللہ سے دعائیں مانگتے ہیں کہ ہمیں اُن نعمتوں کے وعدوں کا مصداق بنا دے اور انھیں پورا کر دے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اپنی بےعملی کی وجہ سے قیامت میں کافروں کے سامنے رُسوا ہوں اور وہ ہم پر یہ طعنہ کسیں کہ ایمان لاکر بھی اُن کا بھلا نہ ہوا۔ (تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ (۱۹۵)	تو اُن کے پروردگار نے اُن کی دُعا
لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ	قبول فرما کر (جواب دیا)، کہ میں تم میں سے
مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ	کسی بھی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع
بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ	کرنے والا نہیں ہوں، خواہ وہ مرد ہو
اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا	یا عورت۔ تم ایکدوسرے کے ہم جنس
فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا	ہی تو ہو۔[۱] تو جن لوگوں نے میری خاطر
لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ	ہجرت کی ہو اور اپنے گھروں سے نکالے گئے
وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ	ہوں اور ستائے گئے ہوں اور میرے لیے لڑے
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا	اور مارے گئے ہوں[۲] تو میں اُن کے گناہوں کی
مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ	تلافی کروں گا اور انھیں ایسے باغیچوں میں
حُسْنُ الثَّوَابِ ۝ ۱۹۵	داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں

گی۔ یہ ہے اُن کی جزاء اللہ کے ہاں! اور بہترین جزاء تو اللہ ہی کے پاس (ملتی) ہے۔

حُسنِ عمل کی بنا پر اللہ کے یہاں اجر و ثواب ہے

(تحقیقی نتیجہ:)
[۱] مرد اور عورت کی اصل ایک ہی ہے

حضرتِ امام محمد باقر ؑ سے روایت ہے کہ جنابِ اُمِّ سلمہؓ نے جنابِ رسولِ خدا ؐ سے عرض کیا کہ خدا نے ہجرت کے موقعے پر مردوں کا تو ذکر کیا اور عورتوں کا ذکر نہ کیا؟ اُس وقت یہ آیت اتری (تفسیر صافی)[۱]

[۲] اور خدا کا فرمانا کہ "وہ لوگ جنھوں نے ہجرت کی اور وہ اپنے اپنے گھروں سے نکالے گئے، سے

(باقی اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

(پچھلے صفحے ۴۳۳ کا بقیہ) اوّلیں مراد امیر المومنین حضرت علیؑ، سلمان فارسیؓ اور ابوذر غفاریؓ ہیں، اور " جو میری راہ میں تکلیف دیے گئے " سے مرادِ اوّلیں حضرت عمّارؓ یاسر ہیں اور حضرت ابوذرؓ صحابیٔ رسولؐ بھی حق بات کہنے کی وجہ سے بُری طرح مارے پیٹے گئے اور مدینے سے بھی نکالے گئے۔

(تفسیرِ صافی ص۱ بحوالہ تفسیر قمیؒ)

نتیجہ : محققین نے نتیجہ نکالا کہ ان تصوّرات اور مناجات کے بعد بھی خدا کی طرف سے قبولیت کا جو اعلان ہے اُس میں صاف صاف بتادیا گیا ہے کہ آخرت کا بہتر سے بہتر صلہ فقط دعاؤں سے حاصل نہ ہوگا، بلکہ عمل سے حاصل ہوگا۔ اقبالؒ کہتے ہیں :

عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنّم بھی ⁂ یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تم سب انسان ہو اور میری نگاہ میں یکساں ہو۔ میرے پاس یہ دستور نہیں کہ عورت اور مرد، آقا اور غلام، کالے اور گورے، امیر اور غریب کے لیے انصاف کے اصول اور فیصلے کے معیار الگ الگ ہوں۔

حدیث میں آیا ہے کہ بعض غیر مسلم نبی کریمؐ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ موسٰیؑ تو عصا اور چمکتا ہوا ہاتھ لائے تھے، عیسٰیؑ اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو اچھا کرتے تھے۔ دوسرے پیغمبر بھی کچھ نہ کچھ معجزے لائے تھے۔ آپؐ فرمائیں کہ آپؐ کیا لائے ہیں؟ اِس پر حضورؐ اکرم نے اِس رکوع کے آغاز سے یہاں تک کی آیتیں تلاوت فرمائیں اور ارشاد فرمایا: "میں تو یہ لایا ہوں"۔ (تفہیم)

نتائج :- اِس آیت سے حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ (۱) عمل جتنا بھی ہو، اُس کا صلہ کبھی برباد نہیں ہوتا، (۲) نیز یہ بھی کہ عمل خواہ مرد کا ہو یا عورت کا اُس میں کوئی فرق نہیں کیا جائیگا (۳) کیونکہ مرد اور عورت کوئی الگ الگ چیز نہیں۔ یہ ایکدوسرے کا جزو ہیں۔ (عمدۃ البیان)

www.drhasanrizvi.org

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ (۱۹۶) كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ۱۹۶

یہ منکروں اور کافروں کا مختلف ملکوں میں دندناتے پھرنا (یا دورے کرنا) تمھیں کہیں دھوکے میں نہ ڈال دے۔

مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ (۱۹۷) جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۱۹۷

یہ تو بس چند دن کی چاندنی ہے۔ پھر (بالآخر) اِن کا ٹھکانا جہنّم ہے، اور وہ کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ (اہلِ دولت کیلئے سبق ہے)

دُنیا اور اُس کی سج دھج دھوکہ ہے

اِس آیت کا ظاہری خطاب تو جناب رسولِ خدا ص سے ہے۔ مگر مراد اُمّت کے لوگ ہیں۔ روایت میں آیا ہے کہ کچھ مسلمان مشرکوں کو دولتمند اور عیش کرتے دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ خدا کے دشمن تو عیش کر رہے ہیں اور ہم خدا کے نیک بندے بھوکے مر رہے ہیں۔ اِس پر یہ آیت اُتری۔ (تفسیر صافی صنا)

حدیثِ نبویؐ میں آیا ہے کہ "دنیا کو آخرت کے مقابلے میں اگر کوئی سمجھنا چاہے تو جیسے مارتے ہوئے سمندر میں اپنی انگلی کا سرا ڈالے اور نکال لے۔ پھر دیکھ لے کہ کتنا پانی انگلی میں آیا ہے" (الحدیث)

غلبہ اقتدار اور حکومت کو حقّانیت کی دلیل سمجھنے والوں کی آنکھیں اس آیت سے کُھل جانی چاہئیں کہ غلبہ اور حکومت تو کافروں اور مشرکوں کو بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ چیزیں کچھ بداعمال مسلمانوں کو بھی مل جائیں تو یہ اُنکی حقّانیت کی دلیل کیسے بن سکتی ہیں؟ (فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ۝۱۹۸

(۱۹۸) مگر وہ جو اپنے مالک کی ناراضگی سے بچتے رہے، اُن کے لیے جنّتیں ہی جنّتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں (اور) وہ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں۔ یہ سب اللہ کی طرف سے اُن کیلیے مہمانی کا سامان ہے۔ اور جو کچھ بھی اللہ کے پاس نیکوں کے لیے ہے، وہی سب سے بہتر ہے۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۱۹۹

(۱۹۹) اور بلا شبہ اہلِ کتاب میں سے کچھ لوگ ضرور ایسے ہیں کہ جو اللہ کو مانتے ہیں اور اُس کو بھی مانتے ہیں جو تمھاری طرف نازل ہوا اور اُس پر بھی (ایمان رکھتے ہیں) جو اُن کی طرف نازل ہوا، وہ اللہ کے آگے دل سے جھکے ہوئے ہیں۔[۱] یہ اللہ کی آیتوں کے بدلے قلیل قیمت نہیں لیتے۔ یہ وہی ہیں کہ جن کا اجر اُن کے رب کے پاس (موجود) ہے۔ یقیناً اللہ بہت ہی تیزی سے حساب چکانے والا ہے۔ (۱۹۹)

---

[۱] بعض روایات میں ہے کہ آنحضرتؐ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی۔ جنت البقیع میں نماز ادا کی گئی بحکم خدا جبرئیلؑ نے جنازہ کو پیشِ آنحضرتؐ کیا تھا۔ اس پر لوگوں نے اعتراض کیا کہ اہلِ کتاب پر نماز کیسی؟ اِس پر یہ آیت اُتری۔ (یہ روایت جابر بن عبداللہ انصاری، ابنِ عباس اور قتادہ، سے نقل ہوئی ہے۔ (مجمع البیان) (قرآن عظیم ترجمہ مولانا احمد رضا)

www.drhasanrizvi.org

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا (۲۰۰) اے لوگو جو ایمان لائے ہو!
وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا قف وَاتَّقُوا صبر وضبط اور تحمّل سے کام لو اور باطل
اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۞ (۲۰۰) ع پرستوں کے مقابلے میں پامردی کا ثبوت دو
اور حق کی خدمت کے لیے کمر باندھے رہو، (یا) سرحدوں پر مورچے مضبوط رکھو۔ اور اللہ کی
ناراضگی سے بچے رہنے کا پورا خیال رکھو۔ شاید اس طرح تم دنیا و آخرت کی مکمّل کامیابی حاصل کرلو۔

آیۂ مبارکہ کی لفظی اور روایتی تشریح

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خدا نے ارشاد فرمایا: "اِصْبِرُوْا" یعنی صبر کرو کا مطلب ہے 'مصیبتوں پر صبر کرو۔ اور "صَابِرُوْا" یعنی دوسروں کو صبر دلاؤ' سے مراد 'فرائضِ الٰہیّہ کے ادا کرنے پر لوگوں کو صبر کی تلقین کرو۔ یعنی واجبات کی ادائیگی پر ایک دوسرے کو ہمّت دلاؤ۔ اور "رَابِطُوْا" سے مراد: رَابِطُوْا عَلَى الْاَئِمَّةِ۔ یعنی اماموں کا ساتھ نہ چھوڑو اُن سے مربوط رہو۔" (تفسیر صافی ص۱۰۱ بحوالہ صافی و تفسیر قمی)

دوسری روایت میں امامؑ نے فرمایا کہ "اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ 'اپنے دین پر صبر کرو' اور اپنے دشمن کے مقابلے میں ثابت قدمی دکھلاؤ اور اپنے اماموں کا ساتھ دو۔" (تفسیر عیاشی)

حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام سے روایت ہے کہ "یہ آیت حضرت عباسؓ عمِ رسولؐ اور ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور مربوط رہنے کا حکم ہمیں نہیں دیا گیا ہے، بلکہ لوگوں

(باقی اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

(پچھلے صفحے کا بقیہ ۴۳۷) کو دیا گیا ہے، ہماری نسل سے وہ ہوگا جس سے سب تعلق رکھیں اور دوسرے لوگوں کی نسل سے وہ ہوں گے جن کو ہم سے تعلق رکھنا چاہیے۔ (تفسیر قمی)

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا نے ارشاد فرمایا: "رَابِطُوا" کے یہ معنی بھی ہیں کہ نمازوں سے تعلق رکھو۔ یعنی ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرو۔ (تفسیر مجمع البیان)

خلاصہ یہ ہے کہ: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ اس کے معنی ہیں (۱) صبر کرو مصیبتوں پر، اور (۲) فتنے کی صورت میں دوسروں سے ثباتِ قدم میں مقابلہ کرو، اور (۳) جن ہستیوں کی پیروی لازم ہے اُن سے رابطہ برقرار رکھو۔

(معانی الاخبار)

دوسری روایت میں امامؑ نے فرمایا: "یعنی اپنے دین کے تقاضوں پر صبر کے ساتھ قائم رہو اور جو جماعت تمہارے خلاف ہے، یعنی اپنے دشمنوں سے مقابلہ کرنے میں برداشت سے کام لو۔ اور اپنے امامؑ سے رابطہ رکھو۔"

پیغمبرِ اسلام نے ارشاد فرمایا: "رباط میں ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا بھی شامل ہے۔ (مجمع البیان)

آیت کا پیغام یہ ہے کہ جو مصیبتیں اسلام کے مخالفین کے ہاتھوں پیش آئیں اُن کو برداشت کرو۔" (بیضاوی، جصاص، ابن عربی)

اختتامِ سورۂ آلِ عمران نمبر ۳

www.drhasanrizvi.org

اٰیَاتُھَا ۱۷۶ سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِیَّةٌ رُکُوْعَاتُھَا ۲۴

عورتوں کا سورہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اللہ کے نام کی مدد سے (شروع کرتا ہوں) جو سب کو فیض پہنچانے والا، بے حد مسلسل رحم کرنے والا ہے

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا (۱)
رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ
مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ
وَّ خَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَ
بَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا
کَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَ
اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ
تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَ الْاَرْحَامَ ؕ

اے انسانو! اپنے اُس پالنے والے کا لحاظ کرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا اور اُسی سے اُس کی زوجہ کو پیدا کیا۔ (حوّا کو آدم کی مٹی سے خلق فرمایا[۱]) اور اُن دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو (دنیا میں) پھیلا دیا۔ تو تم اُس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم سوال کرتے ہو۔ اور قطع رحمی سے بھی بچو۔

[۱] حضرت امام محمد باقر علیہ السلام (از مجمع البیان)

www.drhasanrizvi.org

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝ یقین جانو کہ اللہ تم کو نگراں کے طور پر خوب دیکھ رہا ہے۔ (اس لئے تم عورتوں اور رشتے داروں کی حق تلفی سے بچو اور اُن کے بارے میں اللہ کے غضب سے ڈرو۔) ——— (۱)

تذکرہ حضرت آدمؑ و حوّا

؎ مسئلہ ارتقا کس حد تک صحیح ہے یا نہیں، قرآن کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ انسان بہرحال پیدا ہوا ہے۔ قرآن اُس کی مخلوقیت کو بار بار نمایاں کر رہا ہے۔ یہاں باپ سے جسے نفسِ واحدہ سے تعبیر کیا گیا ہے، اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور ماں جناب حوّا ہیں۔ (تفسیر صافی)
محققین نے نتائج نکالے کہ "تمام نوعِ انسانی ایک برادری ہے کیونکہ سب کے سب ایک ہی ماں اور باپ سے پیدا ہوئے ہیں۔ (۲) عورت نوعِ انسانی سے خارج نہیں ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ جنابِ حوّا اُسی مٹی سے پیدا ہوئی تھیں جو حضرت آدمؑ کی خلقت سے بچ گئی تھی۔ (تفسیر صافی) مخلص۔
توریت میں ہے کہ "خداوند نے آدمؑ پر بھاری نیند بھیجی کہ وہ سو گیا۔ پھر خدا نے اُس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی نکالی اور اُس کے بدلے گوشت بھر دیا۔ پھر خدا نے اُس پسلی سے جو اُس نے آدمؑ سے نکالی تھی ایک صورت بنا کر آدمؑ کے پاس بھیجا۔ (پیدائش ۲ : ۲۲، ۲۳)
حدیث میں آیا ہے کہ عورت کی پیدائش ٹیڑھی پسلی سے ہوئی۔ ٹیڑھی سے مقصود عدم ثبات

www.drhasanrizvi.org

کا ظاہر کرنا ہو سکتا ہے۔ (بحر)

بعض شارحین نے ٹیڑھی پسلی سے مراد عورتوں کی فطرت میں کجی کو قرار دیا ہے۔

(کرمانی بحوالہ بحار الانوار جلد ۲ صفحہ ۲۹۴ و حاشیہ تفسیر ابن کثیر مطبوعہ مصر)

حدیث میں آیا ہے کہ "عورت مثل پسلی کے ہے۔ اگر اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو ٹوٹ جائے گی۔ (صحیح بخاری کتاب النکاح حدیث ۱۱۵ و صحیح مسلم و زمخشری)

حکمتِ الٰہیہ نے حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی اُن کے خواب کے وقت نکالی اور اس سے اُن کی زوجہ حضرت حوّا کو پیدا کیا۔۔۔ (ملخص از قرآن عظیم مترجمہ مولنا محمد احمد رضا خاں صاحب بریلوی)

آیت میں رشتے داروں کے حقوق کی اہمیت

کو امت کے نظامِ اجتماعی کا سنگِ بنیاد قرار دیا ہے۔ رشتے داروں سے تعلقات کاٹ لینا بہت بڑا گناہ ہے۔ (بحر، بیضاوی، جصاص)

رحم کا اطلاق وسیع ہے۔ تمام اعزہ و اقربا اس میں شامل ہیں۔ (قرطبی، تاج)

حدیثِ نبوی میں آیا ہے "رحم عرشِ الٰہی سے چمٹ کر دعا کرتا رہتا ہے کہ "اے اللہ! جو مجھے جوڑے رکھے تو بھی اُسے (اپنی رحمت کے ساتھ) جوڑے رکھ اور جو مجھے کاٹے تو بھی اُسے (اپنی رحمت سے) کاٹ دے۔" (الحدیث)

فقہاء نے نتیجہ نکالا کہ رشتے داری کا لحاظ کرنا واجب ہے اور اُسے قطع کرنا جرم ہے۔ (قرطبی)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: "اللہ نے رشتے داروں کے حق کو ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ تم نے نہیں دیکھا کہ اُس نے اس (حق) کو اپنے ساتھ بیان فرمایا ہے۔"

(تفسیر صافی، تفسیر مجمع البیان بحوالہ کافی و تفسیر عیاشی)

www.drhasanrizvi.org

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ (۲) وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝

اور یتیموں کے مال اُن کو واپس کرو۔ اور اچھے مال کو بُرے مال سے نہ بدلو اور اُن کے مال اپنے مال کے ساتھ مِلا جُلا کر نہ کھاؤ۔ یہ تو بلاشبہ بہت ہی بڑا گناہ ہے۔ (گناہِ کبیرہ ہے) (۲)

یتیموں کا مال کھانا گناہِ کبیرہ ہے

مطلب یہ ہے کہ یتیموں کے مال کو امانت سمجھو۔ اب جبکہ وہ بالغ اور سمجھدار ہو چکے ہیں تو اُن کو اُن کا مال ادا کردو۔ (تفسیر صافی)

اُن کو یتیم اِس لیے کہا گیا ہے کہ وہ ابتک یتیم کے حکم میں تھے، ورنہ بالغ ہونے کے بعد وہ یتیم نہیں کہلاتے۔ (مجمع البیان)

مطلب یہ ہے کہ: اگر تمہارا مال بُرا ہو لیکن اگر تم نے اُس کو یتیم کے مال میں شامل کر دیا ہے اور یتیم کے مال میں سے اچھا عمدہ مال خود لے لیا ہے تو وہ تمہارے لیے ناپاک اور حرام ہے۔ (تفسیر صافی)

اب اِس سے بڑی حماقت اور کیا ہوگی کہ اپنے پاک مال کو چھوڑ کر انسان ناپاک مال حاصل کرے۔ (مجمع البیان)

ڈاکٹر رابرٹ اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن اور پیغمبرِ اسلام نے یتیموں کے حقوق کے تحفظ کا بہترین انتظام فرمایا ہے۔

www.drhasanrizvi.org

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي (۳)
الْيَتَامَىٰ فَانْكِحُوا مَا طَابَ
لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ
وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ
أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ
مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ
أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ۝ (۳)

اور اگر تمھیں یہ خوف ہو کہ تم یتیموں
کے بارے میں یوں انصاف نہ کرسکوگے
تو جو عورتیں تمھیں اچھی لگیں اُن میں سے
دو یا تین یا چار سے نکاح کرلو۔ لیکن
اگر تمھیں یہ خوف ہو کہ تم اُن (عورتوں)
کے ساتھ انصاف نہ کرسکوگے، تو پھر
ایک ہی (بیوی) کرو، یا جو تمھاری ملکیت
میں ہوں۔ (اُنہی پر اکتفا کرو) ناانصافی اور زیادتی سے بچے رہنے کا اس میں زیادہ امکان ہے۔

اللہ نے فعلِ حرام سے بچانے کیلئے مرد کو چار بیویوں کی اجازت دی ہے لیکن عدالت کی شرط کے ساتھ

فقہا نے بیویوں کے ساتھ عدل و انصاف کرنے کو واجب قرار دیا ہے۔ (درمختار)

تعدادِ ازواج پر شرمانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ماہرین متفق ہیں کہ مرد کے قویٰ اور اس کی جسمانی ساخت ہی اس نوعیت کی ہے کہ ایک بیوی اس کی طبعی خواہش کو پورا کرنے کیلئے کافی نہیں جنسی عمل تو چند منٹوں میں ختم ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد مرد پر جسمانی طور پر کوئی ذمے داری نہیں عائد ہوتی۔ بخلاف اس کے عورت کو وضعِ حمل تک جسمانی مجبوری ہوتی ہے۔ اسلام کا نظام کامل ہے ناقص نہیں کہ وہ مرد کی طبعی ضرورتوں کی طرف سے آنکھ بند کرلے۔ نیز یہ کہ امریکی اور یورپی ماہرین کا اتفاق ہے کہ مرد کی شہوانی حیثیت تنوع پسند ہے۔ یورپ امریکہ میں تعدادِ ازواج کو تو منع کردیا گیا ہے لیکن زناکاری کا جو وہاں بازار گرم ہے وہ ناقابلِ ذکر ہے۔ (ماجدی "ملخص")

www.drhasanrizvi.org

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ (۴) نِحۡلَةً ؕ فَاِنۡ طِبۡنَ لَكُمۡ عَنۡ شَىۡءٍ مِّنۡهُ نَفۡسًا فَكُلُوۡهُ هَنِيۡٓــًٔا مَّرِیۡٓــًٔا ۝

اور عورتوں کے مہر خوشی خوشی ادا کرو۔ البتہ اگر وہ خود اپنی خوشی سے تمھیں کچھ حصہ چھوڑ دیں تو اُسے تم مزے سے کھا سکتے ہو۔ (۴)

عورتوں کے مہر ادا کرنے کی ہدایت

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا ص نے ارشاد فرمایا کہ "جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور اُس کے مہر ادا کرنے کی نیت نہ رکھتا ہو، تو وہ شخص خدا کے نزدیک زانی ہے۔" امیر المومنین حضرت علی ع نے فرمایا: "نکاح کی شرطوں کو پورا کرنا واجب ہے۔ ورنہ فرج حلال نہیں ہوتیں۔" (تفسیر صافی صد ۱۰۲ بحوالہ من لایحضرہ الفقیہ)

حضرت امام محمد باقر ع سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا ص نے ارشاد فرمایا: "اس آیت میں خطاب اولیاءِ نکاح سے ہے کہ جب وہ نکاح کرتے تو مہر کا مال خود دبا لیتے۔ اللہ نے اُنھیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ (تفسیر مجمع البیان)

"هَنِيۡٓــًٔا" کے معنی ہیں لذت میں اچھا۔ اور "مَرِیۡٓــًٔا" کے معنی ہیں خاصیت میں اچھا، انجام میں اچھا، اچھی طرح ہضم ہو جانے والا۔

ایک شخص نے حضرت علی ع سے عرض کی کہ میرے پیٹ میں سخت درد ہے۔ آپ ع نے فرمایا "اپنی زوجہ کے مال سے کچھ مانگ، پھر اُس سے شہد خرید، اُس میں برسات کا پانی ملا اور پی جا۔ کیونکہ

www.drhasanrizvi.org

میں نے خدا کی کتاب میں پڑھا ہے کہ "ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اُتارا۔" اور پڑھا ہے کہ "شہد کی مکھیوں کے پیٹ سے مختلف رنگوں والی چیز نکلتی ہے، اُس میں لوگوں کے لیے شفاء ہے۔" اور یہ بھی پڑھا ہے کہ "تمھاری بیویاں اگر اُس مال میں سے کچھ تمھیں دے دیں، جو تم نے انھیں دیا ہے تو اُسے خوشگوار اور ہضم ہوجانے والی چیز سمجھ کر کھالو۔" پس جب برکت، شفاء اور خوشگوار اور ہضم ہونے والی صفات جمع ہوجائیں تو انشاء اللہ شفاء ہوگی۔" اُس شخص نے اسی طرح کیا اور صحتمند ہوگیا۔

(تفسیر مجمع البیان و تفسیر عیاشی)

مفہوم آیت یہ ہے کہ: تمھیں یتیموں کی خبرگیری یوں ہی کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر تمھیں کمزوری محسوس ہو کہ تم انصاف سے اُن کی خبرگیری نہ کرسکو گے تو یتیموں کی بیوہ ماؤں سے نکاح بھی کرسکتے ہو۔ لیکن اُن کی تعداد چار سے زیادہ نہیں کی جاسکتی۔ اب کیونکہ آیت کا اصل موضوع اقسامِ نکاح نہیں ہے، بلکہ صرف ضمناً نکاح کی بات چھڑ گئی ہے، اِس لیے متعہ کا یہاں ذکر نہ ہونا اِس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ متعہ جائز ہی نہیں۔ جبکہ اِسی سورے میں آگے متعہ کا ذکر آیا ہے۔ نیز یہ کہ یہاں صرف اُن عورتوں کا ذکر ہے جن سے گھر کے انتظامات کا تعلّق ہے، اور وہ دائمی زوجہ ہی سے ہوتا ہے، ممتوعہ تو صرف رفع حاجت کے لیے ہوتی ہے، اِس لیے یہاں متعہ کا ذکر نہیں کیا گیا۔ (عمدۃ البیان)

مہر اگر کسی جبر یا مکر سے معاف کرالیا گیا تو اللہ کے ہاں معاف نہیں ہے۔ بیوی اگر شوہر سے مہر وصول کرکے پھر واپس کردے تو اُسے "ہبہ" کہتے ہیں، اور مہر لیے بغیر ہی بیوی معاف کردے تو فقہی اصطلاح میں "ابراء" کہتے ہیں۔ شرعاً دونوں صورتیں جائز ہیں۔ (ملخص: روح المعانی، جصاص، قرطبی)

www.drhasanrizvi.org

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ (۵) الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝

اور تمہارے وہ مال جنھیں اللہ نے تمھاری زندگی کا سامان' اور حالات کے ٹھیک کرنے اور زندگی کے قائم رہنے کا ذریعہ بنایا ہے' بے عقلوں کے حوالے مت کردو۔ البتہ اُنھیں کھانے پہننے کیلئے دو۔ اور اُن سے اچھی طرح بات چیت کرو۔ (۵)

آیت میں مال کے صحیح مصرف کا طریقہ بتایا ہے

مطلب یہ ہے کہ یہ ہلکی عقل والے لوگ جو تمھارے قبضے میں ہیں اور اِن کو مال کے صحیح طریقے پر خرچ کرنے کا شعور نہیں ہے' ان کو اُن کا مال سپرد نہ کرو۔ بلکہ امانتاً اپنے پاس رکھو۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اپنا وہ مال جو تمھارے گذارے کیلئے ہے بے وقوفوں اور ناسمجھ یتیموں کو نہ دے بیٹھو۔ اُس میں سے اُنھیں کھلاؤ پلاؤ۔ اور اُن سے اچھی طرح بات چیت کرو۔

اِس کی تیسری تشریح ابنِ عبّاسؓ نے اِس طرح کی ہے کہ " اگر انسان جانتا ہو کہ اُس کی بیوی احمق ہے۔ مال کا انتظام نہیں کرسکتی' یا اُس کا بیٹا لااُبالی ہے جو مال کو تباہ کردے گا' تو اُنھیں اُن کا مال حوالے نہ کرو۔ بلکہ خود اُن کی ضرورتوں کے پورا کرنے کا صحیح بندوبست کردو۔

حضرت امام جعفر صادق ؑ نے بھی اسی معنی کو بیان فرمایا ہے۔ (مجمع البیان)

www.drhasanrizvi.org

وَابۡتَلُوا الۡيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا (۶) اور یتیموں کی جانچ پڑتال کرتے رہو
النِّكَاحَ ۚ فَاِنۡ اٰنَسۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ یہانتک کہ وہ نکاح کے قابل عمر کو
رُشۡدًا فَادۡفَعُوۡۤا اِلَيۡهِمۡ پہنچ جائیں۔ پھر اگر تم ان میں ہوشیاری
اَمۡوَالَهُمۡ ۚ وَلَا تَاۡكُلُوۡهَاۤ سمجھداری اور اہلیت بھی پاؤ تو اُن کے مال
اِسۡرَافًا وَّبِدَارًا اَنۡ يَّكۡبَرُوۡا ؕ اُن کے حوالے کر دو۔ ایسا کبھی نہ کرنا کہ
وَمَنۡ كَانَ غَنِيًّا فَلۡيَسۡتَعۡفِفۡ ۚ فضول خرچی سے کام لے کر اُن کا مال
وَمَنۡ كَانَ فَقِيۡرًا فَلۡيَاۡكُلۡ جلدی جلدی صرف اس لیے کھا جاؤ کہ
بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ فَاِذَا دَفَعۡتُمۡ وہ کہیں بڑے نہ ہو جائیں۔ اور جو مالدار
اِلَيۡهِمۡ اَمۡوَالَهُمۡ فَاَشۡهِدُوۡا ہو وہ اپنے اوپر خرچ کرنے سے بچتا رہے
عَلَيۡهِمۡ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيۡبًا ۝ اور جو غریب ہو وہ مناسب حد تک ۱؎ اپنی
خوراک حاصل کرے۔ پھر جب اُن کے مال اُن کے حوالے کرنے لگو تو لوگوں کو اُس پر گواہ بنالو۔
یوں خدا خود (بھی) حساب لینے کے لیے بہت کافی ہے۔ —————— (۶)

یتیم کے مال میں اسراف نہ کیا جائے

۱؎ "**معروف**" یعنی مناسب مقدار میں (خوراک حاصل کرنا) معروف کے اندر ہر وہ چیز داخل ہے جو عقل و شریعت کے نزدیک پسندیدہ ہو۔ (مدارک ۔ روح المعانی)

مقصد یہ ہے کہ یتیموں کے سیانے اور بالغ ہونے پر اُن کا مال اُن کو واپس کردو۔
(ابن عربی، بیضاوی، روح المعانی)

(باقی اگلے صفحے پر)

www.drhasanrizvi.org

(پچھلے صفحے ۴۴۷ کا بقیہ)

اور خدا کا فرمانا کہ: "یتیموں کی جانچ پڑتال کرتے رہو" یعنی اس بات کی جانچ کرلو کہ وہ اپنے مال کا ہوشیاری سے انتظام کر سکتے ہیں اور اس کی حفاظت پر قادر ہیں کہ نہیں۔ (جصّاص)

غرض حدِ کبر یعنی بڑے ہونے کے بعد جائیداد صحیح الحواس اصل مالک کو مل جائے گی۔ البتہ فاتر العقل کے احکام الگ ہیں۔ (جصّاص)

اور اس کام میں جلدی کرنی چاہیئے۔ خواہ مخواہ دیر نہ کرنی چاہیئے۔

(امام راغب نہ بخاری)

غرض مال کے حوالے کرنے کے لیے دو شرطیں عائد کی گئی ہیں:

(۱) بالغ ہونا (۲) راشد یعنی اتنا سمجھدار ہونا کہ مال کو صحیح استعمال کرنے کی صلاحیّت یا اہلیّت رکھتا ہو۔ پہلی شرط پر تو عام فقہاء کا اتفاق ہے لیکن دوسری شرط کی تفصیلات پر بہت اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اور حقِ خدمت وہ صرف اس حد تک لے سکتا ہے کہ جسے ہر معقول آدمی مناسب سمجھے، مگر جو کچھ بھی حقِ خدمت لے وہ چوری چھپے نہ لے بلکہ علانیہ طور پر متعیّن کرے اور اس کا پورا پورا حساب بھی رکھے۔ (تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝ (۷)

مردوں کے لیے اُس مال میں حصّہ ہے جو اُن کے ماں باپ اور رشتے داروں نے چھوڑا ہو۔ اور عورتوں کا بھی اُس میں حصّہ ہے[1] جو اُن کے ماں باپ اور رشتے داروں نے چھوڑا ہو، خواہ وہ کم ہو یا زیادہ۔ (اور یہ اللہ کی طرف سے) لازمی طور پر مقرر کیا ہوا حصّہ ہے[2] (۷)

ترکہ و ورثہ میں عورتوں کا حق بھی مقرر ہے

[1] یہ سب اسقدر تفصیل سے اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ جاہلیت میں لڑکیوں کو ورثہ نہیں ملتا تھا۔ یہ کہکر اُن کو محروم کر دیا جاتا تھا کہ ورثہ صرف اُن کا حق ہے جو تلواروں اور نیزوں سے دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ مگر قرآن نے اِس تصوّر کو بالکل رد کر دیا۔

(تفسیر صافی و تفسیر مجمع البیان)

مگر مسلمانوں میں آج بھی لڑکیوں کو ورثے سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ جو جاہلانہ کردار ہے۔

[2] اس آیت میں واضح طور پر پانچ قانونی حکم دیئے ہیں۔ (۱) میراث صرف مردوں ہی کا حصّہ نہیں، بلکہ عورتیں بھی حقدار ہیں۔ (۲) میراث بہرحال تقسیم ہونی چاہیئے خواہ کتنی ہی کم مالیت کی کیوں نہ ہو۔ (۳) وراثت کا قانون ہر قسم کے اموال و املاک پر جاری ہوگا خواہ وہ منقولہ ہوں یا غیر منقولہ، زرعی ہوں یا صنعتی (۴) وراثت کا حق اُس وقت پیدا ہوتا ہے کہ جب مورث کچھ چھوڑ کر مرا ہو۔ (۵) قریب ترین رشتے داروں کے ہوتے ہوئے دور کے رشتے دار میراث نہیں پاتے۔ (تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝ (۸)

اور تقسیم کے وقت اگر رشتے دار اور یتیم اور مسکین موجود ہوں، تو اُن کو بھی اُس میں سے کچھ دے دو۔ اور اُن سے اچھی طرح سے بات چیت کرو۔

تقسیمِ ورثے کے وقت بہتر ہے کہ حاجتمند رشتے داروں کو بھی کچھ نہ کچھ دیا جائے

پہلے تو اُن حصّوں کا ذکر تھا، جو بطورِ فریضہ مقرر ہیں۔ اب استحبابی اور انسانی حق بیان کیا جارہا ہے۔ یہ مطلب ابنِ عباسؓ، الحسن، سعید بن جبیر اور اکثر مفسّرین نے بیان فرمایا ہے۔ (مجمع البیان)

مطلب یہ ہے کہ یہ جائیداد جو تمھیں ورثے میں ملی ہے، اور جس کے لیے تم نے کوئی محنت، مشقّت نہیں کی ہے، تو اب اگر کچھ تمھارے عزیز ایسے ہیں کہ جو میراث میں حق نہیں رکھتے، مگر حاجتمند ہیں عزیز ہیں یا غیر، یتیم اور مسکین ہیں تو ورثہ بانٹتے وقت اُن کے پیٹ بھرنے کا بھی کچھ انتظام کردو۔ مگر اس طرح نہیں کہ اُن کے دل دُکھائے جائیں، بلکہ اچھی طرح بات چیت کے ذریعے جس سے اُن کا دل بھی نہ ٹوٹے۔ (تفسیر صافی وعمدۃ البیان)

اگر یہ حکم میراث کے احکامات سے منسوخ بھی ہوگیا ہے تو بھی اس کا سنّت ہونا برقرار ہے اور اس پر عمل کرنا بہتر ہے۔ (تفسیر صافی از امام محمد باقر علیہ السلام)

www.drhasanrizvi.org

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا (۹) مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝

اور اُن لوگوں کو اِس بات سے ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے بےبس چھوٹے بچّے چھوڑتے تو (مرتے وقت) اُنھیں اپنی اولاد کے بارے میں کتنا خوف ہوتا؟ بس اُنھیں چاہیئے کہ اللہ سے ڈریں اور ٹھیک طرح سے بات چیت کریں۔

آیت میں ورثاء کے ضمیر کو بیدار کیا گیا ہے

آیت کے سیاق سے تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ حکم اُن یتیموں کے لیے ہے جن کا میراث میں حصّہ نہیں ہے۔ اِس لیے وارثوں کے ضمیر کو بیدار کیا جارہا ہے کہ آخر تمھیں بھی تو یہ صورت پیش آسکتی ہے کہ تم مر رہے ہو اور تمھارے بچّے چھوٹے ہوں اور اُن کے لیے تم کچھ نہ چھوڑ سکو۔ یا مثلاً خود تمھارے اپنے بیٹے کے یتیم بچّے ہوں، تو اَب اگرچہ قانوناً اُن کا ترکے میں حصّہ نہیں ہے، تو اَب اُن چچاؤں اور ماموؤں، پھوپھیوں اور خالاؤں کو جو وارث بنے ہیں، اُن یتیم پوتے پوتیوں کے ساتھ جن کے ماں باپ کا انتقال ہوچکا ہے، اُن کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیے۔

اِس کے علاوہ اِس آیت میں اُن لوگوں کیلیئے تو سخت تنبیہ ہے جو یتیموں کے اموال کے نگراں ہیں، وہ اس میں خرد بُرد نہ کریں۔ ورنہ حدیثِ امام موسیٰ کاظمؑ کے مطابق "خدا نے اُن کو اپنی قدرت کی جانب سے انتقام لینے سے ڈرایا ہے کہ اگر تم نے یتیموں کے مال میں خیانت کی تو خدا تمھارے یتیموں کے ساتھ بھی یہی کرسکتا ہے۔"

(ملخص از مجمع البیان)

www.drhasanrizvi.org

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ؑ (۱۰) ع ۱۰/۱۲

اور جو لوگ ناحق ظلم کرتے ہوئے یتیموں کے مال کھاجاتے ہیں وہ حقیقت میں اپنے پیٹوں کو آگ سے بھرتے ہیں اور وہ بہت جلد جہنّم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں پھینک دیے جائیں گے۔

ناحق یتیموں کا مال کھانے کی سخت ممانعت

جنابِ رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا:

" جب مجھے (شبِ معراج) آسمان پر لے جایا گیا تو میں نے ایک گروہ کو دیکھا کہ دہکتی آگ اُن کے پیٹوں میں ڈالی جارہی ہے۔ میں نے پوچھا کہ اے جبرئیلؑ! یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیلؑ نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں قرآن کی یہ آیت اُتری ہے:" پھر جبرئیلؑ نے اسی آیت کی تلاوت کی: یعنی: اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ ۔۔۔۔ سَعِيْرًا ۔ (تفسیر قمی)

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا:

" یتیم کا مال کھانے والا اِس حالت میں قیامت کے دن آئے گا کہ اُس کے پیٹ میں آگ بھڑکتی ہوگی اور اُس کے منھ سے شعلے نکلتے ہوں گے، لوگ اُس کو پہچان لیں گے کہ یہ وہ ہے کہ جس نے یتیم کا مال کھایا ہے۔"

وجہِ تنزیل: حدیث میں آیا ہے کہ جنگِ اُحد کے بعد حضرت سعد بن ربیع کی بیوہ اپنی دو بچیوں کو لیے رسولِ خداؐ کی خدمت میں آئی اور کہنے لگی "یا رسول اللہ! یہ سعد کی بچیاں ہیں جو شہید ہوگئے۔ اِن کے چچا نے پوری جائیداد پر قبضہ کرلیا ہے اور اِن کیلئے کچھ نہیں چھوڑا۔" اِس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (تفہیم) (تفسیر صافی ص ۱۰۳)

www.drhasanrizvi.org

يُوۡصِيۡكُمُ اللّٰهُ فِىۡۤ اَوۡلَادِكُمۡ‌ۖ (۱۱)
لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ‌ۚ
فَاِنۡ كُنَّ نِسَآءً فَوۡقَ اثۡنَتَيۡنِ
فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ‌ۚ وَاِنۡ
كَانَتۡ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصۡفُ‌ؕ
وَلِاَبَوَيۡهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا
السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنۡ كَانَ
لَهٗ وَلَدٌ‌ۚ فَاِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهٗ
وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ
الثُّلُثُ‌ۚ فَاِنۡ كَانَ لَهٗۤ اِخۡوَةٌ
فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنۡۢ بَعۡدِ
وَصِيَّةٍ يُّوۡصِىۡ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ‌ؕ

تمھاری اولاد کے بارے میں اللہ تم کو
ہدایت کرتا ہے کہ لڑکے کا حصّہ دو لڑکیوں
کے برابر ہوگا۔ اب اگر دو سے زیادہ
لڑکیاں ہی ہوں، تو انھیں چھوڑے
ہوئے مال کا دو تہائی حصّہ دیا جائے
گا اور اگر ایک ہی لڑکی وارث ہو تو
آدھا چھوڑا ہوا مال اُس کا ہوگا، اور اگر
میّت اولاد والی ہو تو اُس کے ماں باپ
میں سے ہر ایک کو چھوڑے ہوئے مال کا
چھٹا حصّہ ملے گا۔ اور اگر مرنے والا صاحبِ
اولاد نہ ہو اور والدین ہی اُس کے وارث
ہوں تو ماں کا تیسرا حصّہ ہے۔ اور
اگر میّت کے (سگے سوتیلے) بھائی بھی
موجود ہوں تو ماں کا چھٹا حصّہ ہے۔ یہ
سب حصّے میّت کی وصیّت پوری کرنے
اور قرض ادا کرنے کے بعد دیے جائیں۔

(آیت جاری ہے باقی اگلے حصّے پر ملاحظ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

تم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ تمھارے والدین تمھیں زیادہ فائدہ پہنچانے والے ہیں یا تمھاری اولاد۔ یہ تو اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا فریضہ ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور تمام مصلحتوں کا پہچاننے والا ہے ——— (۱۱)

میّت کی چھوڑی ہوئی جائیداد کے احکام

خدا کا حکم یہ ہے کہ جب کوئی شخص مرد ہو یا عورت، مر جائے تو اُس کی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ میں سے سب سے پہلے اُس کا قرض ادا کیا جائے، پھر اُس کی وصیت اگر اُس نے کی ہو پوری کی جائے جو کُل مال کی ایک تہائی مالیت سے زیادہ کی نہیں ہو سکتی۔ پھر جو بچ جائے وہ اُس میت کے وارثوں میں تقسیم ہوگا۔ وارث دو۲ قسم کے ہوتے ہیں۔ (۱) نسبتی (۲) سببی۔ نسبتی وارثوں کے تین طبقے ہیں۔

طبقۂ اوّل : ماں۔ باپ۔ اولاد۔

طبقۂ دوم : دادی۔ دادا، نانی، نانا، بھائی، بہن اور اُن کی اولاد۔

طبقۂ سوم : چچا۔ پھوپھی، ماموں، خالہ اور اُن کی اولاد۔

یاد رہے کہ اگر پہلے طبقے کے وارث موجود ہیں تو دوسرے اور تیسرے طبقے کے میراث نہیں پائیں گے۔ اِسی طرح اگر دوسرے طبقے والے موجود ہوں، تو تیسرے طبقے والے میراث

www.drhasanrizvi.org

نہیں پاتے لیکن شوہر یا بیوی کو ہر طبقے کے ساتھ اپنا حق ملے گا۔ اور حقیقی بھائی کی موجودگی میں پدری بھائی بہن کو کچھ نہ ملے گا۔

پھر سب وارثوں کو دُو طبقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) صاحبِ فرض ۔ یہ وہی ہیں جن کا حصّہ وراثت قرآن میں صراحتًا مذکور ہے اور وہ دسؔ ہیں۔ ماں، باپ ۔ بیٹے ۔ بیٹیاں، بہنیں حقیقی یا پدری بہن بھائی، شوہر اور زوجہ۔

(۲) صاحبِ قرابت ۔ یہ وہ ہیں کہ جن کا حصّہ قرآن میں مذکور نہیں ۔ لیکن تفسیر میں حضورِ اکرمؐ نے باقاعدہ بتادیا ہے ۔ یہ دسؔ ہیں ۔ دادا ۔ دادی ۔ نانا ۔ نانی ۔ چچا، پھوپھی، اور اُن کی اولاد۔ خالہ، ماموں، اور اُن کی اولاد۔

آدھا ترکہ پانے کے تین مستحق ہیں (۱) شوہر جبکہ زوجہ اپنے بطن سے اولاد یا اولاد کی اولاد نہ چھوڑے ۔ (۲) صرف بیٹی ہو ۔ (۳) ایک بہن ہو چاہے حقیقی ہو یا پدری ۔

ایک تہائی ترکے کے پانے کے دُو شخص مستحق ہیں ۔ (۱) میّت کی ماں، جبکہ میّت کی اولاد یا اولاد کی اولاد اور دُو یا زیادہ بھائی حقیقی یا پدری نہ ہوں (۲) دُو یا دُو سے زیادہ مادری بہن بھائی یا اُن کی اولاد ۔ (باقی احکامات فقہ کی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیں)

مگر میراث کے معاملے میں یہ اوّلین اصول وہدایت ہے کہ مرد کا حصّہ عورت سے دوگنا ہوگا کیونکہ شریعت نے مرد پر معاشی ذمّے داریوں کا بوجھ ڈالا ہے اور عورتوں کو بہت سی معاشی ذمّے داریوں سے آزاد کردیا ہے۔

اور وصیّت کا ذکر قرض پر مقدم اِس لیے کیا گیا کہ (۱) قرض کا ہونا ہر مرنے والے کے لیے ضروری نہیں ہے جبکہ وصیت کرنا ضروری ہے۔ البتہ اُمت کا اجماع ہے کہ سب سے پہلے میّت کا قرضہ ادا ہوگا پھر وصیّت، اور پھر قانونِ وراثت کے مطابق ورثہ تقسیم کیا جائے گا۔ (تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ (۱۲)
أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ
لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ
وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ
مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ
بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۗ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ
مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ
يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ
كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ
الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ
بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ
اَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ
يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ
وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ
وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ
فَإِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ
ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ

اور جو کچھ کہ تمھاری بیویوں نے چھوڑا ہوگا'
اُس کا آدھا حصّہ تم کو ملے گا اگر وہ بے اولاد
ہوں گی، لیکن اگر وہ صاحبِ اولاد ہوں تو
چھوڑے ہوئے مال کا چوتھائی حصّہ تمھارا ہوگا۔
وہ بھی اُنکی وصیّت پوری کر دینے کے بعد
جو اُنھوں نے کی ہوگی اور اُن کا قرضہ ادا کر دینے
کے بعد۔ اور تمھاری بیویوں کیلئے بھی تمھارے
چھوڑے ہوئے مال میں سے چوتھائی حصّہ ہوگا'
اگر تمھاری اولاد نہ ہوگی۔ اور اگر تمھاری اولاد
ہو تو پھر اُن کیلئے تمھارے چھوڑے ہوئے
مال میں سے آٹھواں حصّہ ہوگا۔ وہ بھی اُس
وصیّت کو پورا کرنے کے بعد جو تم نے کی ہو
اور تمھارے قرض کے ادا کر دینے کے بعد۔ اور
اگر کسی مرد یا عورت کے وارث اُس کے مادری
بھائی بہن ہوں تو اُن میں سے جو کوئی ایک
ہو تو اُسے چھٹا حصّہ ملے گا۔ اور اگر ایک سے
زیادہ ہوں، تو وہ ایک تہائی متروکہ میں برابر

www.drhasanrizvi.org

مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصٰى بِهَآ اَوۡ دَيۡنٍۙ غَيۡرَ مُضَآرٍّۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَلِيۡمٌؕ

کے حصے دار ہوں گے، بعد اُس وصیت کے جو کی گئی ہو اور قرضے کے (جو پہلے ادا کیا جائے) بشرطیکہ وہ نقصان دہ نہ ہو۔[۲] یہ حکم اللہ کی طرف سے لازمی ہدایت ہے۔ اور اللہ بڑا ہی جاننے والا (اور) بڑا ہی برداشت کرنے والا ہے۔[۳] ۔۔۔ (۱۲)

"کَلٰلَۃ" سے مراد۔ حدیثِ رسول خداؐ کے مطابق "وصیت نقصان دہ نہ ہو" کی وضاحت

[۱] حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا "کَلٰلَۃ" سے مراد وہ مرد یا عورت ہے جس کے مرنے کے وقت نہ تو بیٹا بیٹی باقی رہیں، نہ ماں باپ۔ اس لیے اُس کے بھائی اور بہن اس کے وارث ہوں خواہ وہ حقیقی بھائی بہن ہوں یا سوتیلے یا اخیافی، یعنی ماں ایک ہو اور باپ مختلف ہوں۔ (تفسیر صافی ص۱۰۲ بحوالہ کافی)

[۲] اس آیت کے ساتھ جو یہ شرط رکھی گئی ہے کہ "وہ وصیت نقصان پہنچانے والی نہ ہو" اس سے پتہ چلتا ہے کہ بعض وصیتیں ناقابلِ قبول بھی ہوتی ہیں، مثلاً جو وصیت ترکے کے ایک تہائی مال سے زیادہ ہو اُس سے ورثاء کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس لیے یہ ناقابلِ قبول ہے۔ اسی طرح کی اور بھی وصیتیں ہو سکتی ہیں (تفسیر صافی)

[۳] کیونکہ یہ احکامات لازمی اور فرض ہیں اور اُن کی مخالفت جائز نہیں، اس لیے آیت کے آخری الفاظ ہیں کہ خدا سب کچھ جانتا ہے مگر حلیم ہے کہ برداشت کرنے والا بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ برداشت کرنا اُس وقت بیان ہوتا ہے جب اُس کی عدمِ تعمیل پر ناراضگی اور سزا موجود ہو۔

(تفسیر صافی و فصل الخطاب)

(باقی اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

(پچھلے صفحہ ۴۵۷ کا بقیہ)

"وصیت میں ضرر رسانی" گناہِ کبیرہ ہے۔ (الحدیث)

"وصیت میں ضرر رسانی یا نقصان پہنچانا" یہ ہے کہ اس طرح وصیت کی جائے کہ جس سے مستحق رشتے داروں کے حقوق برباد ہو جاتیں۔ اور قرض میں ضرر رسانی یہ ہے کہ صرف حقداروں کو محروم کرنے کے لیے مرنے والا ایسے قرض کا اقرار کرلے جو واقعی اُس نے لیا بھی نہ ہو۔ اِس طرح ورثاء کو نقصان پہنچانا گناہِ کبیرہ ہے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ:

"وصیت میں نقصان رسانی بڑے گناہوں میں سے ہے۔"

ایک دوسری حدیث میں جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "آدمی تمام عمر اہلِ جنت کے سے کام کرتا رہتا ہے مگر مرتے وقت ایسی وصیت کرے جس سے ورثاء کو نقصان پہنچے تو گویا اُس نے اپنی زندگی کتاب کو ایسے عمل پر ختم کیا جو اُسے دوزخ کا مستحق بنادے۔"

یہ نقصان پہنچانا بھی ہے اور حق مارنا بھی۔ یہ گناہ خاص طور پر وہ لوگ کرتے ہیں جو نہ صاحبِ اولاد ہوں اور نہ اُن کے ماں باپ ہی زندہ ہوں۔ اُن کو "کلالہ" کہتے ہیں۔

آخر میں خدا نے اپنی صفتِ علم کا اظہار شاید اِس لیے فرمایا ہے کہ ہم یہ سمجھ لیں کہ اگر ہم نے خدا کے قانون کی خلاف ورزی کی تو خدا کی گرفت سے بچنے کا کوئی امکان نہیں۔ دوسرے یہ کہ خدا نے جو حصے معین کیے ہیں وہ بالکل صحیح ہیں کیونکہ وہ ہر چیز کا اچھی طرح سے جاننے والا ہے۔ اور آخر میں خدا نے خود کو "حلیم" یا "نرم خو" اِس لیے فرمایا ہے کہ خدا نے اِن قوانین کے مقرر کرنے میں کوئی سختی نہیں کی، بلکہ ایسے قوانین مقرر کیے ہیں جن میں بندوں کیلئے زیادہ سے زیادہ سہولت اور شفقت ہے۔ (تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ (۱۳) يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں (قوانین) ہیں اور جو اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کرے گا، تو خدا اُسے ایسے باغوں (جنّتوں) میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، وہ اُن باغوں (جنّتوں) میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ اور یہ بہت ہی بڑی کامیابی ہے۔[۱] (۱۳)

خدا اور رسولؐ کے فرمانبردار ہمیشگی والی جنّتوں میں رہیں گے ''۔ خدا کا اعلان ''

[۱] ''حدیثِ قدسی'' کے صفحہ ۵۱ پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

''اے لوگو! تم دنیا میں کس طرح راغب ہوتے ہو اور کیسے خوش ہوتے ہو جبکہ یہ دنیا فانی اور اس کی نعمات زائل ہو جانے والی اور زندگی ختم ہو جانے والی ہے۔ پس بہ تحقیق میرے پاس فرمانبرداروں کے لیے جنّات ہیں جن کے آٹھ دروازے[۲] ہیں اور ہر جنّت میں ستّر ہزار زعفرانی باغ اور ہر باغ میں ستّر ہزار مونگے اور موتیوں کے شہر ہیں، اور ہر شہر میں یاقوت کے ستّر ہزار محل، اور ہر ایک محل میں زبرجد کے ستّر ہزار مکان یعنی گھر ہیں اور ہر گھر میں ستّر ہزار سونے کے مکان اور ہر مکان میں چاندی کے ستّر ہزار دُکان یعنی کمرے ہیں اور ہر دُکان یا کمرے میں ستّر ہزار دستر خوان

(باقی اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

[۲] جنّتوں کے آٹھ دروازوں کی تفصیل ہم سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں درج کر چکے ہیں۔

www.drhasanrizvi.org

(پچھلے صفحے ۴۵۹ کا بقیہ) اور ہر دستر خوان پر ستّر ہزار جوہری کشتیاں اور ہر کشتی میں ستّر ہزار رنگ کے طعام یعنی لذیذ کھانے ہوں گے۔ اور ہر دُکان یا کمرے کے گرد ستّر ہزار سُرخ سونے کے تخت جن پر ستّر ہزار ریشمی بچھونے اور ہر تخت کے گرد ستّر ہزار نہریں آبِ حیات، دودھ، شراب اور خالص شہد کی، اور ہر نہر میں ستّر ہزار رنگ کے پھل اور اسی طرح ہر مکان میں ارغوانی رنگ کے ستّر ہزار خیمے اور ہر خیمے میں ستّر ہزار غالیچے اور اعلیٰ بچھونے اور ہر بچھونے پر ستّر ہزار حور العین میں سے حوریں ہوں گی اور ہر حور کے سامنے ستّر ہزار کنیزیں مثل سفید انڈے کے ہوں گی۔ اور ہر قصر کے سر پر ستّر ہزار کافوری قُبّے اور ہر قُبّے میں ستّر ہزار خدا کی طرف سے تحفے ہوں گے جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا نہ کسی کان نے سُنا ہوگا اور کسی آدمی کے دل میں بھی آئے ہوں گے۔ اور لوگوں کے پسندیدہ میوے اور پرندوں کے لذیذ گوشت جن کی وہ خواہش رکھتے ہوں۔ اور حوریں مثل موتیوں کے چمکتی ہوں گی جو لوگوں کو نیک اعمال بجالانے کے عوض ملیں گی۔ جنتی لوگ وہاں نہ مریں گے، نہ روئیں گے، نہ رنجیدہ ہوں گے نہ بوڑھے ہوں گے، نہ عبادت کریں گے، نہ روزے رکھیں گے، نہ نماز پڑھیں گے نہ مریض ہوں گے، نہ وہاں پیشاب و پاخانہ کریں گے، نہ وہ غمناک ہوں گے، اور نہ وہ لوگ کبھی وہاں سے نکالے جائیں گے۔

پس اللہ جلّ جلالہٗ عزّ شانہٗ ارشاد فرماتا ہے کہ جو شخص میری رضا کا طالب ہے اور میرے معزز گھر اور فردوس کو چاہتا ہے۔ پس وہ صدقے کے ذریعے سے اور دُنیا کو معمولی اور حقیر سمجھنے سے اور کم رزق پر قناعت کرنے سے اس جنّت اور نعماتِ ابدی کو طلب کرے۔

میری ذات شاہد ہے، میری ذات کے لیے کوئی معبود نہیں ہے سوائے میرے۔ اور عیسیٰ و عزیر میرے بندوں میں سے دو بندے ہیں اور میرے برگزیدہ رسول ہیں۔"

(حدیث قدسی ص ۱۵۱ تا ۱۵۴)

www.drhasanrizvi.org

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (۱۴) وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۱۴ ع

اور جو اللہ اور اُس کے رسولؐ کا کہنا نہ مانے گا اور خدا کی مقرّر کی ہوئی تمام حدوں سے قدم آگے بڑھائے گا اُسے (بڑی ہولناک) آگ میں داخل کیا جائے گا، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اُس کے لیے ذلیل کرنے والی سزا ہوگی۔

ع ۱۴

اللہ کی مقرّر کردہ تمام حدود سے تجاوز پر خوفناک عذاب اور حدود کے مختلف پہلوؤں کی صراحت

اِس آیت میں یہ قید لگانا ضروری ہے کہ اُن حدوں سے تجاوز کیا جائے جن کی مخالفت کی سزا جہنم میں ہمیشہ رہنا بتا دیا گیا ہے۔ ورنہ جس حد تک حدودِ الٰہی سے تجاوز کیا جائے گا، اُسی درجے کی سزا پائے گا۔ پھر حد سے تجاوز کرنے میں اعتقادات کو بھی شامل کیا جانا ضروری ہے۔ مثلاً خدا کی آیتوں اور احکامات کا انکار جو کفر ہے۔ (عمدة البیان و فصل الخطاب)

دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہاں حدود کا لفظ جمع میں ہے۔ اور اضافت کے ساتھ جمع میں استغراق کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ یعنی وہ شخص جو خدا کی تمام حدود کو توڑ ڈالے تمام حدود سے تجاوز کرے۔ ظاہر ہے کہ ایسا شخص کافر ہی ہو سکتا ہے، مومن نہیں ہو سکتا۔ (مجمع البیان)

غرض یہ ایک بڑی ہی خوفناک آیت ہے جس میں اُن لوگوں کو ہمیشگی کے عذاب کی دھمکی دی گئی ہے جو اللہ کے مقرّر کیے ہوئے قانونِ وراثت کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ یا

(باقی اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

(پچھلے صفحے ۴۶۱ کا بقیہ)

ان دوسری قانونی حدوں کو توڑیں جو خدا نے اپنی کتاب میں واضح طور پر مقرر کردی ہیں۔ لیکن سخت افسوس ہے کہ اِس قدر سخت دھمکی کے ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں نے بالکل یہودیوں کی سی جسارت کے ساتھ خدا کے قانون کو بدل دیا اور اُس کی مقرر کردہ حدوں کو توڑا، اِس قانونِ وراثت کے معاملے میں جو نافرمانیاں کی گئی ہیں، وہ خدا کے خلاف کھُلی بغاوت کی حد تک جا پہنچتی ہیں۔ عورتوں کو ہمیشہ میراث سے محروم کرنے کی کوششیں کی جاتی رہیں۔ (تفہیم)

اِسی لیے جناب فاطمہ زہراؑ نے اپنی میراث چھن جانے پر پُرزور احتجاج فرمایا خود مسجد میں تشریف لائیں اور دربارِ خلافت خود ساختہ میں طویل خطبہ پڑھا جس میں قرآنی آیات سے اپنی وراثت کو ثابت کیا۔ باپؐ کا وصیت نامہ پیش کیا یہاں تک فرمایا کہ: "کیا میرا باپؐ مسلمان نہ تھا، جبکہ ہر مسلمان کی اولاد کو تو اپنے باپ کا ورثہ ملے مگر میرے باپؐ کی اولاد کو وراثت کے حق سے محروم رکھا جائے ؟"

اگرچہ بی بی فاطمہؑ کو اُن کا حق نہ دیا گیا، مگر بی بیؑ نے احکاماتِ خداوندی خاص طور پر قانونِ وراثت اور بیٹیوں کا حق مارنے کی کوشش کے خلاف احتجاج فرمایا جو ایک اصولی معاملہ تھا۔ کچھ کھجوروں کے درختوں کا سوال نہ تھا۔ غرض عورت اور بیٹی کا حق مارنے کے خلاف یہ اسلام میں جناب فاطمہؑ کا جہادِ اکبر تھا۔ اقبالؒ فرماتے ہیں :

رشتۂ آئینِ حق زنجیرِ پاست پاسِ فرمانِ جنابِ مصطفیٰؐ است
ورنہ گردِ تربتش گردیدمے سجدہ ہا بر خاکِ تو پاشیدمے

یعنی میرے پیروں میں شریعت کی زنجیر ہے، مجھے جنابِ مصطفیٰؐ کے حکم کا لحاظ ہے، ورنہ میں فاطمہؑ کی قبر کے گرد طواف کرتا اور اُن کی *

* قبر کی مٹی پر سجدے کرتا۔

www.drhasanrizvi.org

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ (۱۵) نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ۝۱۵	اور تمھاری عورتوں میں سے جو بے حیائی اور (زنا) بدکاری کریں تو اُن پر اپنے لوگوں میں سے چار آدمیوں کی گواہی لو۔ اگر چار آدمی گواہی دے دیں تو اُن کو گھروں میں بند رکھو اُس وقت تک کہ موت اُن کی عمر کو پورا کرے یا اُن کے لیے اللہ کوئی اور صورت پیدا کرے۔

زانیہ کی سزا کے احکامات

زنا کو فحش گناہ اس لیے کہا گیا ہے کہ اُس کی بُرائی مسلّم اور واضح ہے۔ (تفسیر صافی ص ۱۰۴)

اور خدا کا آخر میں یہ ارشاد فرمانا کہ " یا اللہ اُن کے لیے کوئی راستہ بنا دے " کے سلسلے میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ " یہ آیت منسوخ ہے۔" کسی نے پوچھا: کیونکر منسوخ ہوئی؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: " پہلے زمانے میں اگر عورت زنا کرتی تھی اور چار گواہ بھی اُس کی گواہی دیتے تھے تو وہ ایک مکان میں بند کر دی جاتی تھی۔ پھر نہ وہ کسی سے بات کر سکتی تھی اور نہ کوئی اُس سے بات کر سکتا تھا اُس کے پاس صرف کھانا پانی پہنچا دیا جاتا تھا، اسی طرح وہ مر جاتی تھی کیونکہ اللہ نے ارشاد فرمایا:

(باقی اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

(پچھلے صفحہ ۴۶۳ کا بقیہ) تھا کہ " یا تو وہ مر جائیں یا اللہ اُن کے لیے کوئی راستہ بنا دے "
چنانچہ خدا نے ایسوں کے لیے سنگساری اور کوڑوں کی سزا مقرر کر دی ۔ اگر شوہر رکھنے والی عورت بدکاری کرے گی تو سنگسار کی جائے گی ۔ اور بغیر شوہر والی عورت کو کوڑے لگائے جائیں گے ۔ (تفسیر صافی ص۱۰۵ بحوالہ تفسیر عیاشی)

ہر دعوے کا ثبوت تو دو۲ گواہوں سے ہوتا ہے مگر زنا اور بد چلنی کا الزام اتنا سخت ہے کہ بغیر چار چشم دید گواہوں کے ثابت نہیں ہوتا ۔ اب ظاہر ہے کہ ایسی عورت کی بد چلنی کی کیا انتہا ہو گی کہ جو چار چشم دید گواہوں کے سامنے ، جو عادل بھی ہوں ، بدکاری کا پورا پورا عمل انجام دے ۔

احادیث میں آتا ہے کہ زانیہ کے لیے عمر قید کی سزا ابتدائے اسلام میں تھی ۔ مگر بعد میں وہ آیت اِس آیت سے منسوخ ہو گئی کہ " زنا کار عورت اور زنا کار مرد ان میں سے ہر ایک کو سَو کوڑے لگاؤ " بشرطیکہ زنا کار عورت شادی شدہ نہ ہو ۔ شادی شدہ عورت اگر زنا کرتی ہے تو اُس کو سنگسار کیا جائے گا ۔ اس کے لیے حکمِ قرآنی تو نہیں ، مگر اجماعِ اُمت سے ثابت ہے ۔ (تفسیر مجمع البیان ، تفسیر صافی)

غرض زانی مرد اور زانی عورت دونوں کے لیے سَو سَو تازیانے کی سزا ہے اور یہ سزا غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے لیے ہے ۔ شادی شدہ مرد یا عورت زنا کریں گے تو اُن کے جُرم کی سزا سنگساری (پتھر مارے جانا) ہے ۔ (معالم)

چار آدمیوں کی گواہی کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جرم کے مرتکب دو۲ شخص ہیں زانی و زانیہ ۔ اِس لئے ہر ایک کی طرف سے دو۲ دو۲ گواہ چشم دید ہوں گے ۔

www.drhasanrizvi.org

وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ (۱۶) فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○

اور تم میں سے دو شخص جو بدکاری کریں تو انھیں تکلیف پہنچاؤ اب اگر وہ توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو اُن کو چھوڑ دو۔ یقیناً اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا، بڑا ہی رحم کرنے والا ہے ——— (۱۶)

بغیر شوہر کی عورت اور بغیر زوجہ کے مرد کو بدکاری کی سزا

یہ اُن مرد اور عورتوں کا حکم ہے جو غیر شادی شدہ ہوں لیکن اگر مرد ایسا ہے کہ اُس کی کوئی بیوی نہیں اور عورت بھی ایسی ہے کہ اُس کا کوئی شوہر نہیں، تو اُن کو سنگسار نہیں کیا جاتا۔ اُنھیں صرف تکلیف پہنچائی جاتی ہے یعنی لعنت ملامت کیے جاتے ہیں تاکہ انھیں احساسِ جرم پیدا ہو جائے۔ (عمدۃ البیان)

مگر اس آیت کو معیّن شرعی سزا کے بعد منسوخ قرار دے دیا گیا، جو اس کے بعد سورۂ نور میں نازل ہوئی" اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (آیت ۲) یعنی " زانی مرد اور زانیہ عورت میں سے ہر ایک کو سَو سَو کوڑے لگاؤ "

مگر یہاں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ خدا نے اس آیت ع ۱۶ میں تکلیف پہنچانے کا حکم عمداً دیا اور اس کی تفصیل اور تعین سورۂ نور والی آیت میں کر دی گئی۔ اس لیے یہ آیت منسوخ آیتوں میں شامل نہیں۔ (فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۱۷﴾

صرف اُن کی توبہ قبول کرلینا اللہ کے ذمے ہے جو نادانی یا جہالت کے سبب کوئی بُرا کام کرگذرتے ہیں اور پھر جلدی سے توبہ کرلیتے ہیں۔ یہی وہ ہیں کہ خدا جن کی توبہ قبول کرلیتا ہے (کیونکہ) اللہ بڑا ہی جاننے والا اور تمام مصلحتوں کو پہچاننے والا ہے۔ (۱۷)

گناہگار کی توبہ کو اللہ باربار قبول فرماتا رہتا ہے

حضرت امام جعفر صادق ؑ سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خدا ؐ نے ارشاد فرمایا: "بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اگرچہ وہ جانتا ہے کہ جو کام وہ کررہا ہے وہ گناہ ہے، لیکن پھر بھی حقیقتاً اُس وقت وہ جاہل ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ عملاً اپنے آپ کو اللہ کی نافرمانی جیسے عظیم خطرے میں ڈال دیتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے حضرت یوسف ؑ کے بھائیوں کے قصے میں فرمایا' جب یوسف ؑ نے اپنے بھائیوں سے پوچھا: "کیا تم جانتے ہو کہ تم نے یوسف اور اُس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا" اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ "جبکہ تم جاہل تھے (سورہ یوسف آیت ۸۹)

حضرت یوسف نے اُن کو جاہل اس لیے کہا کہ اُنھوں نے اپنے آپ کو خدا کی نافرمانی جیسے عظیم خطرے میں ڈالا تھا۔"

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے آپؑ نے فرمایا: کوئی شخص توبہ کرکے

www.drhasanrizvi.org

بار بار گناہ کرتا رہے تو بھی خدا اُس کے گناہ معاف کردے گا۔"

پوچھا گیا: "ایسا کیوں ہوتا ہے؟" فرمایا: "اِس لیے کہ شیطان توبہ کرنے کے بعد پھر بہکا دیتا ہے۔ اِس لیے جب تک شیطان کے بہکانے کی صلاحیت سلب نہ ہوجائے، خدا توبہ کو قبول کرتا رہتا ہے۔"

(تفسیر صافی ص۱۰۵ بحوالہ تفسیر مجمع البیان و تفسیر عیاشی)

جناب رسول خدا ؐ نے اپنے آخری خطبے میں ارشاد فرمایا: "جو شخص اپنی موت سے ایک سال پہلے توبہ کرلیتا ہے تو اللہ اُس کی توبہ قبول کرلے گا" پھر ارشاد فرمایا: "ایک سال زیادہ ہے، اگر کوئی شخص اپنی موت سے ایک مہینہ پہلے بھی توبہ کرلیتا ہے تو خدا اُس کی توبہ قبول کرے گا۔ پھر ارشاد فرمایا: "ایک مہینہ بھی زیادہ ہے۔ اگر کوئی شخص مرنے سے صرف ایک دن پہلے ہی توبہ کرلے تو بھی اللہ اُس کی توبہ قبول کرے گا۔" پھر ارشاد فرمایا: "ایک دن بھی زیادہ ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے مرنے سے ایک گھنٹہ پہلے توبہ کرلے تو بھی اللہ اُس کی توبہ قبول کرے گا۔" پھر ارشاد فرمایا: "ایک گھنٹہ بھی زیادہ ہے۔ اگر کوئی شخص قریب المرگ ہے اور اُس کی جان اُس کے حلق تک پہنچ جائے (پھر آپؐ نے حلق کی طرف اشارہ کیا) تو بھی اللہ اُس کی توبہ قبول کرے گا۔"

(تفسیر صافی ص۱۰۵ بحوالہ مَن لایحضرہُ الفقیہ و کافی و تفسیر عیاشی)

کافی اور تفسیر عیاشی میں یہ جملے بھی ہیں کہ جناب رسولِ خدا ؐ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص مَلک الموت کو دیکھنے سے پہلے توبہ کرلے گا، اللہ اُس کی توبہ کو بھی قبول فرمالے گا۔"

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا ؐ نے ارشاد فرمایا "جب شیطان کو خدا نے نکالا تو اُس نے کہا " یا اللہ! تیری عزت اور عظمت کی قسم، میں اولادِ آدمؑ

(باقی اگلے صفحہ ۴۶۸ پر ملاحظہ فرمائیں)۔

www.drhasanrizvi.org

(پچھلے صفحے ۴۶۷ کا بقیہ) کو اُس وقت نہ چھوڑوں گا جب تک روح اُس کے جسم سے نہ نکل جائے۔" اللہ نے ارشاد فرمایا کہ "پھر مجھے بھی اپنی عزّت اور عظمت کی قسم ہے کہ میں اپنے بندے پر اُس وقت تک توبہ کا دروازہ کھلا رکھوں گا جب تک اُس کی سانس اُلٹی نہ چلنے لگے۔"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا ؐ نے ارشاد فرمایا "مگر جاہل کی توبہ اُس وقت قبول کروں گا جب تک اُس کی سانس اُلٹی نہ چلنے لگے گی۔" (کافی و عیاشی)

یہ لکھنے کے بعد صاحبِ تفسیر صافی لکھتے ہیں کہ اُس وقت عالم کی توبہ قبول نہ ہونے کا سبب یہ ہوسکتا ہے کہ موت کی نشانیاں دیکھ کر وہ فوراً سمجھ جاتا ہے کہ اب وہ مرنے والا ہے۔ اور اس لیے وہ فوراً مایوس ہوجاتا ہے۔ جبکہ جاہل کو موت کی نشانیاں دیکھ کر بھی پتہ نہیں چلتا کہ وہ مرنے والا ہے۔ وہ اُسے بیماری وغیرہ خیال کرتا ہے۔ غرض جاہل جب غیب کی چیزیں دیکھتا ہے اُس وقت بھی وہ مایوس نہیں ہوتا۔

نیز اُنھوں نے یہ بھی لکھا کہ خدا کی مہربانیوں میں سے ایک مہربانی یہ بھی ہے کہ خدا نے روح کھینچنے والے فرشتے کو یہ حکم دے رکھا ہے کہ وہ پاؤں کی انگلیوں سے جان نکالنی شروع کرے۔ پھر آہستہ آہستہ اوپر کی طرف آتا جائے، پھر سینے اور حلق تک آئے، تاکہ مرنے والے کو کچھ وقت مل جائے اور وہ اپنا دل خدا کی طرف متوجہ کرلے۔ وصیّت کرلے اپنا حق معاف کرالے۔ اور خاتمہ بالخیر ہوجائے۔"

حضرت امام جعفر صادق ؑ نے فرمایا: "ھِیَ النَّدَمُ تَوْبَۃ" کی حقیقت یہ ہے کہ توبہ دلی شرمندگی ہے اور مستقبل کے لیے ترکِ معصیت کا عزم۔ توبہ چھوٹے گناہوں کی بھی کرنی چاہیے اور بڑے گناہوں پر بھی۔ (تفسیر کبیر۔ روح المعانی۔ مدارک)

www.drhasanrizvi.org

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ (۱۸) يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۸

مگر یہ توبہ اُن کے لیے نہیں ہے کہ جو بُرے کام کیے ہی چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ جب اُن میں سے کسی کی موت اُن کے سامنے آکھڑی ہو، تب وہ کہتے ہیں کہ: "اب میں نے توبہ کی۔ اور (اسی طرح) نہ اُن کی (توبہ قبول ہوگی) جو مرتے دم تک کافر رہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے تو ہم نے بڑی سخت تکلیف دینے والی سزا تیار کر رکھی ہے۔ (۱۸)

مرتے دم تک کفر پر ڈٹے رہنے والوں کی توبہ قبول نہیں

مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ کفر سے تو توبہ کرتے نہیں۔ البتہ کچھ غلطیوں اور گناہوں سے توبہ کرتے ہیں، وہ بھی بالآخر آخرِ وقت جب موت کا منہ دیکھ لیتے ہیں۔ اِس لیے اُن کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اِس آخر وقت میں توبہ اِس واسطے قبول نہیں ہوتی کہ جس وقت روح گلے میں پہنچتی ہے، اُس وقت وہ انسان شرعی قیود سے باہر ہوجاتا ہے۔ کیونکہ اُس وقت اُس کا ایک قدم آخرت میں پہنچ چکا ہوتا ہے۔ (عمدۃ البیان)

اُس توبہ کے قبول کرنے کی ذمّے داری خدا نے لی ہے جو گناہ سے فوراً بعد کی جائے۔ عمداً گناہوں سے پرہیز کیا جائے۔ البتّہ خدا کا فضل و کرم شاملِ حال ہوجائے تو آخر وقت کی

(باقی اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

(پچھلے صفحے ۴۶۹ کا بقیہ) توبہ بھی قبول ہوسکتی ہے اِس لیے کہ خدا کے رحم و کرم پر کوئی پابندی نہیں لگائی جاسکتی۔ (تفسیر صافی)

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب حالتِ نزع یا سکرات شروع ہوجاتی ہے اور انسان عالمِ برزخ کو دیکھنے لگتا ہے، عذاب کے فرشتے سامنے آچکے ہیں، تو اب جو توبہ ہوگی وہ اختیاری یا عقلانی نہ ہوگی، بلکہ اضطراری ہوگی، اِس لیے نامنظور ہے۔ جس گناہ کی توبہ نہ کی جائے گی اُس کا شمار گناہ پر اصرار میں ہوگا۔ حالتِ نزع سے قبل انسان کیلئے معافیوں کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنی دعا میں فرمایا: "میرے گناہ کتنے وسیع کیوں نہ ہوں، تیری رحمت سے زیادہ وسیع تو نہیں ہوسکتے۔"

غرض توبہ کے معنی پلٹنے اور رجوع کرنے کے ہیں۔ گناہ کے بعد بندہ کا خدا سے توبہ کرنا یہ بتاتا ہے کہ ایک غلام جو اپنے آقا کا نافرمان بن کر اپنے آقا سے منھ پھیر گیا تھا، اب شرمندہ ہوکر اپنے مالک کی اطاعت کی طرف پلٹ آیا ہے۔ اور خدا کی طرف سے بندے کی توبہ قبول کرنے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ کہ جو نظرِ عنایت اپنے بندے کی طرف سے اُس کے گناہوں کی وجہ سے پھر گئی تھی، وہ ازسرِنو پھر اُس کی طرف متوجہ ہوگئی۔ اِس لیے بندہ جب بھی اپنے گناہوں پر شرمندہ ہوکر اپنے آقا کی طرف پلٹتا ہے، تو خدا کی معافیوں کا دروازہ اُس کے لیے کھلا ہوتا ہے۔ بقولِ شاعر، خدا فرماتا ہے:

ایں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست ❊ صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

(یعنی میری درگاہ ناامیدی کی جگہ نہیں ہے۔ اگر تُو نے سو دفعہ بھی اپنی توبہ توڑ دی ہے تو بھی واپس میرے در پر آجا۔)

یاد رہے یہ توبہ اُن کے لیے نہیں ہے جو زندگی بھر گناہ پر گناہ کرتے رہیں پھر عین وقت مرگ معافیاں مانگنے لگتے ہیں۔ (ملخص از تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝ (۱۹)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تمھارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن بیٹھو۔[۱] اور نہ اُن پر سختی کرو تاکہ اُس (مہر یا رقم) میں سے جو تم اُنھیں دے چکے ہو، کچھ حصہ واپس لے اُڑو۔ سوا اُس وقت کے، کہ جب وہ کھلی ہوئی بدچلنی اختیار کریں۔ اور تم عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے سے زندگی گذارو۔ پس اگر وہ تم کو اچھی نہ لگیں تو ہو سکتا ہے کہ جو چیز تمھیں اچھی نہ لگے اُسی میں اللہ نے زیادہ بھلائی رکھی ہو۔

جبراً کسی کا وارث بننا خدا کو پسند نہیں

[۱] آیت کا مضمون صاف بتا رہا ہے کہ اس کی کوئی خاص شانِ نزول ہے۔ اسی شانِ نزول سے پتہ چلے گا کہ زبردستی وارث بننے کا کیا مطلب ہے؟ اور وہ ناپسندیدگی کونسی ہے جس میں اللہ نے کوئی بھلائی رکھی ہو؟

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ "دورِ جاہلیت میں یہ طریقہ عام تھا کہ کسی شخص کے مرنے پر اُس کا وارث اُس کی بیوی پر کپڑا ڈال کر، عورت کی میراث حاصل کرنے

(باقی اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

www.drhasanrizvi.org

(پچھلے صفحے ۴۷۱ کا بقیہ) کے لیے، اُسے گھر میں بند رکھتا تھا۔ اُس کو اپنی بیوی کہتا تھا، مگر کوئی مہر معین نہ کرتا تھا۔ گویا دوسری چیزوں کی طرف مرنے والے کی بیوی کا وارث بن بیٹھتا تھا۔ آیت نے اِس بات سے روک دیا۔ (تفسیر صافی بروایت امام محمد باقرؑ)

دوسری روایت میں ہے کہ خود دورِ اسلام میں بھی ایسا واقعہ ابو قیس صحابی کی وفات پر پیش آیا۔ (مجمع البیان)

نیز یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر عورتیں شادی کے بعد کھلی ہوئی بدکاری کریں تو اُن سے مہر واپس لینے پر تو سختی نہ کرو لیکن بدکاری سے روکنے کے لیے سختی کرو لیکن اگر وہ بدکار نہ ہوں تو شوہروں کو چاہیے کہ اُن کے ساتھ اچھے طریقے کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ (تفسیر صافی، تفسیر عیاشی از امام جعفر صادقؑ)

آیت کا مفہوم اور پیغام یہ ہے کہ چاہے تمہاری بیوی خوبصورت نہ ہو، یا اُس میں کوئی ایسا عیب ہو جو شوہر کو پسند نہ آئے، تو بھی یہ مناسب نہیں ہوتا کہ شوہر فوراً دل برداشتہ ہو کر اُسے چھوڑ دے حتی الامکان صبر و تحمل سے کام لینا چاہیے۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ عورت خوبصورت نہیں ہوتی، مگر اُس میں کچھ دوسری خوبیاں ایسی ہوتی ہیں جو ازدواجی زندگی میں حُسنِ صورت سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ اگر اُس کو اپنی اُن خوبیوں کے اظہار کا موقع دیا جائے تو وہی شوہر جو شروع میں اُس کی صورت کی خرابی کی وجہ سے دل برداشتہ ہو رہا تھا، اُس کے حُسنِ سیرت کا عاشق ہو جاتا ہے، اِس لیے شوہر کو چاہیے کہ وہ صبر سے کام لے۔ خدا کو یہ بات پسند نہیں کہ ازدواجی زندگی کو کاٹنے میں جلدی کی جائے۔ طلاق بالکل آخری حل ہے۔ جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا: "اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰہِ الطَّلَاق" "تمام جائز کاموں میں اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند طلاق دینا ہے۔" دوسری حدیث میں ہے کہ "نکاح کرو اور طلاق نہ دو" کیونکہ اللہ ایسے مردوں اور عورتوں کو پسند نہیں کرتا جو بھونرے کی طرح پھول پھول کا مزہ چکھتے پھریں۔" (مخلص از تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ (۲۰)
مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّ اٰتَيْتُمْ
اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا
تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ
اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا
مُّبِيْنًا ○

اور اگر تم ایک بیوی کو بدل کر دوسری بیوی لانے کا ارادہ ہی کر لو تو چاہے تم نے پہلی بیوی کو بہت رقم ہی کیوں نہ دی ہو، اُس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ کیا تم اُس مال کو جھوٹے الزام لگا کر اور کھلا ہوا ظلم و گناہ کر کے واپس لے لو گے ؟

دورِ جاہلیت کی بدکرداری کا رد

یہ بھی دورِ جاہلیت کی ایک بدمعاشی تھی کہ کسی شوہر نے کسی خوبصورت عورت کو دیکھ لیا اور اُس کا دل اُس پر آ گیا تو اُس نے اپنی بیوی پر بدکاری کا الزام لگا دیا اور اُسے اتنا ستایا کہ وہ اپنا مہر چھوڑ دے اور اُس سے طلاق لے لے۔ قرآن نے ایسی حرکت کو بہت بڑا گناہ قرار دیا۔ اگر مباشرت نہیں ہوئی ہے تو بیوی کا آدھا مہر ادا کرو، اور اگر مباشرت ہو چکی ہے تو پورا مہر ادا کرنا ضروری ہے۔ قرآن نے کہا کہ نکاح کا معاہدہ پورا ہو چکا، عقد ہو چکا، مباشرت ہو چکی، اب تم مہر کا کوئی حصہ نہیں روک سکتے

(تفسیر صافی)

www.drhasanrizvi.org

وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ○ (۲۱)

اور آخر تم اُس مال کو کیوں لے لو گے جبکہ تم ایک دوسرے سے لطف اُٹھا چکے ہو اور وہ تم سے پکّا عہد و پیمان لے چکی ہیں۔[۱]

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ○ (۲۲)

اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہیں، اُن سے ہرگز نکاح نہ کرو۔ مگر جو پہلے ہو چکا وہ ہو چکا۔ درحقیقت یہ ایک کھلی ہوئی بے حیائی، ناپسندیدہ، اور نفرت کی بات اور بہت ہی بُرا طریقہ تھا۔[۲] (۲۲)

---

[۱] پکّے عہد و پیمان سے مراد نکاح ہے۔ عہدِ جاہلیت کے مرد دوسری شادی کرنے پر پہلی بیوی پر جھوٹا الزام لگاتے اور اپنا دیا ہوا مال اور مہر تک مار لیتے۔ (مترجم)

زمانۂ جاہلیت میں عرب قبائل کا ایک اور بدترین دستور

[۲] حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ "زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے قبیلوں کا یہ دستور تھا کہ جب کسی شخص کا کوئی نزدیکی رشتے دار مر جاتا تھا اور وہ اپنی بیوی چھوڑ جاتا تھا تو وہ شخص اُس عورت پر اپنا کپڑا یا چادر ڈال دیتا اور اس طرح مرنے والے کے مال کی طرح اُس کی بیوی کا بھی وارث ہو جاتا۔ چنانچہ جب ابوالقیس مر گیا تو اُس کے بیٹے

www.drhasanrizvi.org

نے اپنے باپ کی بیوی کبشہ کے سر پر کپڑا ڈالا اور اُس کا مالک بن بیٹھا مگر نہ تو اُس کے پاس جاتا تھا اور نہ اُسے نان نفقہ دیتا تھا۔ وہ عورت جناب رسولِ خداؐ کے پاس شکایت لیکر آئی۔ رسولِ خداؐ نے فرمایا: "بی بی اِس وقت تو اپنے گھر چلی جا۔ جب اللہ مجھے حکم دے گا تو تجھے بتاؤں گا۔ اِس بات پر یہ آیت اُتری۔ اور اِس حکم کے مطابق وہ عورت آزاد ہوکر اپنے میکے چلی گئی لیکن مدینے میں ایسی اور بہت سی عورتیں تھیں جن کے نکاح کے وارث اور لوگ ہو گئے تھے۔ اُن کے لیے دوسرا حکم نازل ہوا کہ "اے ایمان والو! تمہارے لیے یہ بات حلال نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن جاؤ۔" (تفسیر صافی ص ۱۰۵ بحوالہ تفسیر قمی)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ "یہ آیت اُس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جس نے ایک عورت کو صرف اس لیے روک رکھا تھا کہ جب وہ مرجائے تو اُس کے مال کا وارث بن جاؤں، حالانکہ اُس کو اُس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ (تفسیر مجمع البیان)

جس طرح ماں، دادی، پر دادی "اُمّھات" میں شامل ہیں اسی طرح نواسی، پوتی اور پڑپوتی بنات یعنی بیٹیوں میں شامل ہیں۔ اِس لیے قرآن میں جہاں رسولؐ سے فرمایا ہے: قل لبناتک (یعنی اپنی بیٹیوں سے کہو۔) یہ خصوصی خطاب، حضرت فاطمہؑ اور اُنکی لڑکیوں پوتیوں، نواسیوں سے ہے۔ (تفسیر بیضاوی)

تاریخ میں ہے کہ عباسی خلیفہ ہارون رشید نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے جو آلِ رسولؐ کے ساتویں امام ہیں پوچھا کہ آپ میں اور ہم میں فرق کیا ہے؟ ہم رسولؐ کے چچا کی اولاد ہیں اور آپ رسولؐ کی بیٹی کی اولاد ہیں۔ ہم دونوں رسولؐ کے رشتے دار ہی تو ہیں۔ اس لیے برابر ہیں۔

(جاری ہے اگلے صفحے پر)

www.drhasanrizvi.org

(پچھلے صفحے ۲۷۵ کا بقیہ) امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: کہ "اگر آج رسول خداؐ تشریف لے آئیں اور تم سے تمہاری بیٹی کا رشتہ طلب فرمائیں تو تم کیا کرو گے ؟ ہارون رشید خوش ہو کر کہنے لگا "ہم اس کو اپنی سعادت سمجھیں گے" امام ؑ نے فرمایا" مگر ہم سے رسول خداؐ ہماری بیٹی کا رشتہ طلب ہی نہیں کر سکتے" (کیونکہ ہم اُن کی اولاد ہیں) بس، ہم میں اور تم میں اتنا بڑا فرق ہے (یاد رہے کہ یہ فرق تو صرف رشتے کا ہے۔ باقی فضائل و کمالات کے لحاظ سے علم و کردار کے لحاظ سے کہاں آل محمدؐ کا مرتبہ اور کہاں بنی عباس "چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک (یعنی) مٹی کو عالم قدس سے کیا تعلق ہے)

(ماخوذ از تاریخ ائمہ "ناسخ التواریخ" جلاء العیون، منتھی الآمال)

غرض اس آیت میں سوتیلی ماؤں سے عقد کی ممانعت کی گئی ہے جو زمانۂ جاہلیت میں عام تھی۔ اب ایسا ہرگز نہ ہونا چاہیے۔ (عمدۃ البیان)

نیز یہ بھی بتا دیا گیا کہ جو کچھ زمانۂ جاہلیت میں اسلام لانے سے پہلے ہو چکا ہے، اُس کی سزا اب نہیں دی جائے گی۔ (تفسیر صافی)

کیونکہ اسلام لانا پہلے کے سب گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔ (مجمع البیان)

امام رازی نے نتیجہ نکالا کہ بُرے کام کے تین درجے ہیں (۱) قبحِ عقلی (۲) قبحِ شرعی (۳) قبحِ عرفی۔ "فاحشہ" سے مراد قبحِ عقلی ہے۔ "مَقْتًا" سے مراد قبحِ شرعی ہے اور بُرے راستے سے مراد قبحِ عرفی ہے۔ (تفسیر کبیر) — آیت نے بتا دیا کہ ماں سے صرف نکاح کا صیغہ پڑھ لینا اُس کی بیٹی کو حرام نہیں کرتا۔ ہاں اگر ماں سے صحبت کر لی ہو تو اُس کی بیٹی ہمیشہ کیلئے حرام ہے (کشاف بیضاوی)

امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، بوس و کنار کو بھی صحبت کے حکم میں داخل کرتے ہیں۔

(مدارک - ابن عربی - جصاص)

www.drhasanrizvi.org

(۲۳) حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ
وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ
وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ
وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ
الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ
مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ
نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ
الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ
نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ
بِهِنَّ ۡ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا
دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْكُمْ ۡ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ
الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَ
اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ
الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ
سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں ،
اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور
تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں
اور تمہاری بھتیجیاں اور بھانجیاں
اور تمہاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں
دودھ پلایا ہے ، اور تمہاری دودھ
شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی
مائیں اور تمہاری بیویوں کی (پہلے شوہر
کی وہ) لڑکیاں جنھوں نے تمہاری گودیوں
میں پرورش پائی ہو لیکن اگر (انکی ماں سے
صرف نکاح ہوا ہو اور) ان سے جنسی تعلق قائم
نہ ہوا ہو تو (طلاق دیکر ان لڑکیوں سے نکاح
کر لینے میں) تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور (حرام
کی گئیں تم پر) تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں
اور یہ کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ اپنے
نکاح میں جمع کرو۔ مگر جو پہلے
ہو گیا سو ہو گیا (کیونکہ) یقیناً اللہ

(باقی آیت و ترجمہ و تشریح اگلے صفحہ پر)

www.drhasanrizvi.org

كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ۲۳ بڑا بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے۔

اُن عورتوں کی فہرست جن سے نکاح حرام ہے

اِس آیت[۲۳] میں محرم عورتوں کی فہرست ہے جن سے کبھی شادی (نکاح) نہیں ہو سکتی۔ نیز یہ بھی بتادیا کہ دو بہنوں کو ایک وقت میں بیوی نہیں بنایا جا سکتا۔ ہاں جب ایک بہن کا انتقال ہو جائے یا اُسے طلاق دے دی جائے، تب عدّۃ کی مدّت کے بعد دوسری بہن سے نکاح کیا سکتا ہے۔ اِس لیے سالی محرم نہیں ہے۔ محرم عورت وہ ہوتی ہے جس سے کبھی شادی نہ ہو سکے۔ البتّہ دو بہنوں کے ساتھ ایک وقت میں شادی دورِ جاہلیّت میں ہوا کرتی تھی۔ اُس کی سزا اب نہ ملے گی، مگر ایسے تمام عقد باقی بھی نہیں رہیں گے۔ (مجمع البیان)

"رضاعت کے احکام وحدیثِ رسولِ خدا"

اِس بات پر تو اُمّت میں اتّفاق ہے کہ ایک لڑکے یا لڑکی نے جس عورت کا دودھ پیا ہو اُس کے لیے وہ عورت ماں کے حکم میں ہے، اور اُس کا شوہر باپ کے حکم میں ہے۔ اور تمام وہ رشتے جو حقیقی ماں اور باپ کے تعلّق سے حرام ہوتے ہیں، رضاعی ماں اور باپ کے تعلّق سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔ اِس حکم کا مآخذ نبی کریم کا یہ ارشاد ہے "يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يُحَرِّمُ مِنَ النَّسَبِ" یعنی جو چیز نسبت کے لحاظ سے حرام ہوتی ہے وہی چیز رضاعت کے رشتے سے بھی حرام ہو جاتی ہے۔" البتّہ اس بات میں فقہاءِ اُمّت میں بڑا اختلاف ہے کہ یہ حرام ہونا کتنے عرصے دودھ پینے سے ثابت ہوتا ہے۔ امیر المومنین علی علیہ السلام روایت ہے کہ "اعتبار

www.drhasanrizvi.org

صرف اُس زمانے میں دودھ پینے کا ہے جبکہ بچّے کا دودھ چھڑایا نہ جاچکا ہو اور دودھ پینے پر ہی اُس کی غذا کا انحصار ہو۔" حضرت اُمّ سلمہؓ، ابنِ عباسؓ، امام زہری، حسن بصری، قتادہ، عکرمہ اور اوزاعی اسی کے قائل ہیں۔ مگر امام ابوحنیفہ اور امام زفر کا قول ہے کہ زمانۂ رضاعت ڈھائی سال ہے اور اُس کے اندر دودھ پینے سے رضاعت کی حُرمت ثابت ہوجاتی ہے۔ لیکن امیر المومنین حضرت علی علیہ السّلام سے صحیح ترین روایت یہ ہے کہ "بچہ خواہ کسی عمر میں بھی دودھ پیے، حُرمت ثابت ہوجائے گی"۔ یعنی اِس معاملے میں اصل اعتبار دودھ کا ہے نہ کہ عمر کا۔ فقہاء میں عروہ بن زبیرؓ، عطاء، لیث بن سعد اور ابنِ حزم نے حضرت علیؑ کے قول کو اختیار کیا ہے۔

اِس معاملے میں بھی اختلاف ہے کہ جس عورت سے صرف نکاح ہوا ہو اُس کی ماں حرام ہے یا نہیں۔ امام ابوحنیفہ، امام احمد اور امام شافعی اس کے حرام ہونے کے قائل ہیں لیکن حضرت علی علیہ السّلام کے قول کے مطابق جب تک کسی عورت سے خلوت (مباشرت) نہ ہوئی ہو، اُس کی ماں حرام نہیں ہوتی۔

البتہ فقہائے اُمّت کا اِس بات پر تقریباً اجماع ہے کہ سوتیلی بیٹی آدمی پر بہرحال حرام ہے، خواہ اُس نے سوتیلے باپ کے گھر ہی میں پرورش پائی ہو، یا نہ پائی ہو۔

(تفہیم)

بحمد اللہ آج ۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ/ ۳۱ اگست ۱۹۹۳ء کو یہ پارۂ ۴ مکمل ہوا۔

کاتبِ قرآن سید محمد جعفر زیدی ۳۶ بی لانڈھی
(فون ۵۰۴۰۸۶۹)

www.drhasanrizvi.org

محمد اقبال حسن نعیمی عفی عنہ

ریسرچ اینڈ رجسٹریشن آفیسر محکمہ اوقاف

پاک محرم ایجوکیشن ٹرسٹ کے مطبوعہ
پارہ لن تنالوا البر کا بغور مطالعہ کیا اور
اسے ہر طرح کی اغلاط سے مبرا پایا۔

فیض احمد شاہ سعیدی

حافظ فیض احمد شاہ سعیدی

بطور رجسٹرڈ پروف ریڈر

گلشن اقبال بلاک۔11 کراچی